مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ لاہور

طلوع اسلام

جلد: 50 شمارہ: 11 نومبر 1997ء

خط و کتابت: ناظم ادارہ **طلوع اسلام** (رجسٹرڈ)
25- بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660
ٹیلی فون: 6541521-876219 (گھر) فیکس: 92-42-5764484
INTERNET: http: // www.toluislam.com
http://www.ummah.org.uk/xpo/
EMAIL: tluislam @ brain.net.pk

انتظامیہ چیئرمین : ایاز حسین انصاری
ناظم : محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول : محمد لطیف چوہدری
مجلس ادارت : ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
ناشر : عطاالرحمٰن ارائیں
طابع : سید فیصل سلیم
مطبع : آفتاب عالم پرنٹنگ پریس 15 ہسپتال روڈ لاہور
مقام اشاعت : 25-B گلبرگ 2 لاہور 54660

فہرست مضامین

معزز قارئین!	ناظم ادارہ	2
لمعات	ادارہ	4
اقبال اور ختم نبوت	علامہ غلام احمد پرویزؒ	11
مینارہ نور	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	35
پاکستان اور اسلامی نظام	علی محمد چدھڑ	48
میرا پاکستان	[illegible] مہک مفتی	55
ایک خط ایک نوحہ	ڈاکٹر محمد حیات ملک	57
Islam	ڈاکٹر میر مصطفیٰ حسین	64

زر سالانہ

ایشیا' افریقہ' یورپ	600 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا	800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ	15 روپے
اندرون ملک سالانہ	170 روپے

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہوگی کہ مجلّہ طلوع اسلام اپنے دور ثانی سے پاکستان کے ساتھ قدم بقدم چل رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز قارئین!

طلوع اسلام

السلام علیکم

اس وقت آپ طلوع اسلام پڑھ رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ آپ برسوں سے طلوع اسلام پڑھتے چلے آرہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ اسے اس لئے پڑھتے ہیں کہ آپ کو اس کی پیش کردہ فکر سے اتفاق ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ جس قرآنی نظام کا نقشہ ان صفحات میں پیش ہوتا رہتا ہے۔ وہ جلد سے جلد قائم ہو تاکہ ظلم کا استیصال ہو' عدل عمرانی کا چرچا ہو اور افراد معاشرہ نشو و ارتقاء کے تمام ممکن ذرائع سے متمتع ہو سکیں۔ یہ قدرتی خواہش آپ کے دل میں کئی مرتبہ پیدا ہوئی ہو گی اور آپ نے بڑی بے صبری اور بے چینی سے چاہا ہو گا کہ اس کے حصول کی کوئی صورت نکل آئے۔ اب جب آپ طلوع اسلام پڑھ کر اس فضا میں پہنچے ہیں تو آپ کے دل میں پھر سے ویسے ہی خیالات موجزن ہوں گے۔ آج ذرا طبیعت کے اس رنگ کا فائدہ اٹھایئے اور طلوع اسلام کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد یہ نہ کہئے کہ اے کاش ایسا معاشرہ جلد قائم ہو جائے بلکہ ایک عملی آدمی کی حیثیت سے یہ سوچئے کہ ایسا معاشرہ قائم کیسے ہو سکتا ہے اور آپ اس کے قائم کرنے میں کیا مدد دے سکتے ہیں؟

ایک قائم معاشرے کی جگہ نیا معاشرہ اس وقت تک نہیں لے سکتا جب تک کہ افراد معاشرہ حاضر و موجود سے بیزار نہ ہو جائیں' جو رائج معاشرے سے بے زار ہیں اور اس کے بجائے نیا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ جوں جوں یہ دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور لوگ اس میں داخل ہوتے جاتے ہیں' اسی طرح رفتہ رفتہ افراد معاشرہ اس حد تک نئے تصور سے سرشار ہو جاتے ہیں کہ وہ بوسیدہ نظام کو اکھاڑ پھینکتے ہیں اور اس کے کھنڈرات پر نئی منزل کھڑی کر دیتے ہیں۔

اب آپ دیکھئے کہ کیا آپ نے ہم خیال پیدا کرنے اور انہیں ایک رشتہ میں پرونے کا کچھ بندوبست کیا ہے۔ مثلاً" آپ نے اپنا مافی الضمیر کسی کے سامنے پیش کیا' جو پہلے سے اسے نہیں جانتا تھا؟ آپ اپنی خلوتوں سے نکل کر اس راہ پر کبھی گئے ہیں' جہاں اور بھی ہم خیال بن سکتے ہیں؟ اگر آپ نے ایسا کر لیا ہے تو آپ نے بیج بو دیا ہے۔ اب اس کی آبیاری کیجئے اور دیکھئے کہ اس بیج کی کونپل پھوٹے اور بالآخر وہ شجر طیب بن کر رہے۔ تاآنکہ اس کی جڑیں پاتال پہنچ جائیں اور شاخیں آسمانوں سے باتیں کریں۔ اس درخت کا استیصال امر محال ہو جائے گا۔

اگر آپ نے ابھی ایسا نہیں کیا' تو آیئے اٹھ کر ذرا آس پاس دیکھئے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں' جو آپ

ہی کی طرح طلوع اسلام پڑھتے چلے آرہے ہیں اور سینوں میں آپ ہی کی طرح خواہشات دبائے پھرتے ہیں۔ یہ آپ کے معاونین اور رفقائے کار ہیں۔ ان سے رابطہ پیدا کیجئے۔ باہم مل بیٹھئے اور تبادلہ خیالات کیجئے۔ رفتہ رفتہ آپ محسوس کریں گے کہ اس سے پیشتر کبھی کبھی آپ پر تنہائی اور یاس کے جو احساسات غالب آجایا کرتے تھے وہ اب کافور ہوتے جا رہے ہیں اور آپ میں مقصد کے حصول کے لئے ایک ولولہ عمل بیدار ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کے رفقاء بھی ایسے ہی محسوس کر رہے ہیں۔ اس فضا میں آپ دیکھئے گا کہ کام ہونا شروع ہو جائے گا۔ آپ اس راہ پر ایک مرتبہ چل دیجئے پھر آپ کا ہر قدم آپ کو منزل سے قریب تر کرتا جائے گا۔ اگر آپ کو ہم خیال تلاش کرنے میں دقت ہو تو ہمیں اطلاع دیجئے۔ ہم آپ کا نام طلوع اسلام میں شائع کر دیں گے۔ اس پر مقامی قارئین آپ سے رابطہ پیدا کر لیں گے۔ ہم نے خریداروں کی قصبہ وار فہرست بھی تیار کر لی ہے۔ آپ چاہیں تو اس میں سے ہم آپ کے شہر کے خریداروں کا نام دے سکتے ہیں۔

آپ اور آپ کے رفقائے کار مل بیٹھیں، تو اس اجتماع کو " بزم طلوع اسلام " کا نام دیجئے۔ اس کی تحویل میں ایک لائبریری قائم کیجئے، جو طلوع اسلام اور اس کی مطبوعات کو ان تک پہنچانے کا ذریعہ ہو جو اب تک ان سے بے خبر رہے یا جو انہیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس طرح آپ کا مرکز بن جائے گا تو پھر آپ کے پاس ایک طرف ایسے لوگ آئیں گے جو آپ کی تحریک سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ان کی پوری تشفی کیجئے۔ طلوع اسلام کے فکر سے قدرے اجنبی ہونے کی حیثیت سے ضرورت ہو گی کہ انہیں مناسب طریق سے اس فکر سے متعارف کرا دیا جائے۔ آپ یہ فریضہ انجام دیجئے۔ اس میں آپ کو، اور رفقائے کار مل جائیں گے۔ دوسرے آپ کے پاس بعض ایسے حضرات بھی آئیں گے، جو خواہ مخواہ کی حجت پیدا کریں گے اور کام میں رخنے ڈالیں گے۔ ان کے اعتراضات کا پورا پورا جواب دیجئے لیکن ان سے زیادہ مت الجھئے کیونکہ انہیں کام سے سروکار نہیں۔ ان میں نہ کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ نہ وہ کسی کو کام کرنے ہی دیتے ہیں۔

آپ کا بھائی

محمد لطیف چوہدری

ناظم ادارہ طلوع اسلام

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

جس طرح قوانین فطرت کے مطابق یہ عظیم کارگہ کائنات سرگرم عمل ہے' اسی انسانوں کی دنیا میں بھی کوئی تبدیلی محض سطحی اسباب کی رو سے رونما نہیں ہو جاتی۔ اس کے لئے بھی خدا کی طرف سے اٹل قوانین مقرر ہیں۔ جو قوم ان قوانین کے مطابق اپنا نظام قائم کرتی ہے' وہ زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے۔ جو ان کی خلاف ورزی کرتی ہے' وہ پہلے زوال پذیر ہوتی ہے' اور اس کے بعد تباہی اور بربادی کے عدم میں جا گرتی ہے۔ قرآن مجید نے وہ قوانین بیان کئے ہیں' جن سے قوموں کا عروج و زوال وابستہ ہے اور ان کی صداقت کے ثبوت کے لئے اقوام سابقہ کی سرگزشتوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔ یعنی اس نے کہا ہے کہ دیکھو! فلاں قوم نے اپنے ہاں اس قسم کا نظام قائم کیا تو اسے زندگی کی شادابیاں اور خوشگواریاں حاصل ہو گئیں' اور فلاں نے اس کی خلاف ورزی کی تو وہ تباہ و برباد ہو گئی۔ اس کے بعد وہ قوم مخاطب اور آنے والی اقوام عالم سے کہتا ہے کہ ان قوانین اور ان کی صداقت کے ثبوت میں پیش کردہ ان شواہد کی روشنی میں تم خود فیصلہ کر لو کہ تم سرفراز و شاداب رہنا چاہتے ہو یا تباہ و برباد ہونا۔ اگر سرفراز و شاد کام رہنا چاہتے ہو تو اپنا نظام قوانین خداوندی کے مطابق متشکل کرو۔ اگر تباہ ہونا چاہتے ہو تو ان کے خلاف روش اختیار کر لو۔ جس قسم کی تمہاری روش ہو گی۔ اسی قسم کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد مقامات پر مختلف آیات میں بیان کیا ہے۔ (مثلاً") وہ سورۃ المومن (نمبر 40) کی آیات۔ (85-82) میں کہتا ہے کہ کیا یہ لوگ دنیا میں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ جو قومیں ان سے پہلے ہو گزری ہیں' اور انہوں نے اسی قسم کی روش اختیار کر رکھی تھی جس پر یہ گامزن ہیں' تو ان کا کیا انجام ہوا۔ ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات کی ٹھیکریاں ان کی عظمت گزشتہ کی درخشندہ داستانیں بھی بیان کرتی ہیں اور اس کے بعد ان کی تباہی اور بربادی کی مرثیہ خواں بھی ہیں۔ جو قومیں تعداد میں بھی اس قوم سے زیادہ تھیں جو (اے رسولؐ!) اب تمہاری مخاطب ہے اور قوت و حشمت میں بھی اس سے بڑھ کر۔ ان کی شان و شوکت کے جھنڈے زمین میں گڑے ہوئے تھے۔ لیکن جب ان کے غلط نظام کے تباہ کن نتائج کے ظہور کا وقت آیا تو نہ ان کی تعداد کی کثرت ان کے کسی کام آسکی اور نہ ہی ان کی دولت و قوت انہیں اس تباہی سے بچا سکی۔ یہ تباہی ان پر اچانک نہیں آگئی تھی۔ خدا نے ان کی طرف اپنے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ وہ انہیں بتا دیں کہ جس راستہ پر وہ چلے جا رہے ہیں وہ انہیں تباہی کے جہنم کی طرف لئے جا رہا ہے۔

لیکن وہ لوگ اپنی دولت اور قوت کے نشہ میں اس قدر بدمست اور اپنی ہنر مندیوں اور عیارانہ کارستانیوں پر اس قدر فرحاں اور نازاں تھے کہ انہوں نے ان پیغامبران انقلاب آسمانی کی تنبیہات کا مذاق اڑایا اور ان سے کہا کہ ہم نے جو نظام وضع اور اختیار کر رکھا ہے اس سے ہمارے ہاں ہن برس رہا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم تباہیوں کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ہوا وہی جو آسمانی پیغام رساں کہتے تھے۔ انہیں ان تباہیوں نے گھیر لیا جن کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

یہ کچھ بیان کرنے کے بعد قرآن مجید نے کہا کہ یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی جو کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص تھی۔ **سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ** (40/85) " یہ خدا کی اٹل روش ہے جو تمام اقوام سابقہ کے سلسلہ میں جاری و ساری رہی ہے " **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا** (33/62) " تو خدا کی اس روش' اس قانون محکم' میں کبھی تبدیلی نہیں پائے گا۔ " یہ اٹل اور غیر متبدل قانون ہے' جس کے مطابق قوموں کی زندگی اور موت کے فیصلے ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم نے ان اقوام کی سرگزشتیں بڑی تفصیل سے بیان کی ہیں جن سے اس کی اولین مخاطب قوم (قوم عرب) متعارف تھی۔ مقصد اس سے اپنے اسی غیر متبدل قانون کی صداقت کی شہادت پیش کرنا تھا۔ پھر' قرآن کریم کی تعلیم اسی قوم یا اسی دور تک محدود نہیں تھی۔ وہ ایک ابدی صداقت تھی' جسے قیامت تک جاری اور ساری رہنا تھا۔ اس لئے جو کچھ اس نے اپنی اولین مخاطب قوم سے کہا تھا' اس کی مخاطب ہر زمانے کی ہر قوم تھی اور آج بھی دنیا کی ہر قوم ہے۔ اس ابدی صداقت کی رو سے قوموں کی زندگی میں جس قدر حوادث رونما ہوتے ہیں (اور ہو رہے ہیں) ان کی ذمہ دار وہ خود ہیں۔اس قانون کی تفاصیل تو طویل طویل ہیں۔ لیکن اس کے ملخص کو اس نے ان چار الفاظ میں سمٹا کر رکھ دیا ہے کہ **هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ** (6/47) " تباہ اور برباد وہی قوم ہوتی ہے جس کے ہاں ظلم کی روش عام ہو جائے ۔" یوں تو " ظلم " کی تفصیل بھی بڑی وسیع ہے لیکن بنیادی طور پر اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس شے کو جہاں ہونا چاہیے وہ' وہاں نہ ہو۔ قرآن کریم نے ان اقوام سابقہ کی سرگزشتوں میں ان گوشوں کو ابھار کر پیش کیا ہے جن میں ظلم زیادہ نمایاں حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اگر ان گوشوں کی ایک مختصر سی فہرست مرتب کی جائے تو اس کے عنوانات کچھ اس طرح سامنے آتے ہیں :۔

1۔ جب کسی معاشرہ میں شرف و عزت کا معیار دولت قرار پا جائے اور محنت سے روٹی کمانے والے شریف اور دیانتدار لوگوں کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قوم نوحؑ کے ساتھ ہوا۔

2۔ جب اپنوں اور بیگانوں کا معیار' نظریات زندگی کی ہم آہنگی کی بجائے' رنگ' نسل یا وطن کا اشتراک قرار پا جائے تو وہ نظام بھی آخرالامر تباہ ہو جاتا ہے' کیونکہ اس معیار کی رو سے اس پارٹی' جماعت یا قوم میں شریف اور بدمعاش' دیانتدار اور بد دیانت' مجرم اور بے گناہ' حق اندیش اور غلط کوش سب یکجا جمع ہو جاتے ہیں اور اس قوم کے افراد کی حیثیت سے ان میں کوئی

تمیز روا نہیں رکھی جا سکتی۔ اس قسم کا معاشرہ بھی تباہ ہو کر رہتا ہے۔ یہ حقیقت بھی قوم نوحؑ کے تذکرہ کے ضمن میں سامنے آتی ہے۔

3۔ جو قوم جبر و استبداد کی بنا پر حکومت کرے اور استحصال عامہ ان کا شعار ہو' وہ قوم کبھی تباہی سے نہیں بچ سکتی' خواہ وہ تمدن و تہذیب کی کتنی بلندیوں تک کیوں نہ پہنچ چکی ہو اور سائنٹفک تحقیقات میں بھی کتنی ہی آگے کیوں نہ بڑھ گئی ہو۔ قوم عاد کی سرگزشت سے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔

4۔ جس نظام میں وسائل رزق پر زور آور لوگ قابض ہو جائیں اور کمزوروں اور غریبوں پر رزق کے راستے بند کر دیئے جائیں اور وہ اپنی روٹی کے لئے ان کے دست نگر اور محتاج ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ قوم ثمود کی سرگزشت اس حقیقت کی آئینہ دار ہے۔

5۔ جس قوم میں تجارتی کاروبار لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ بن جائے وہ قوم بھی تباہی سے نہیں بچ سکتی۔ یہ حقیقت قوم حضرت شعیبؑ کی سرگزشت سے ہمارے سامنے آتی ہے۔

6۔ اس قوم کا نظام سیلولر ہو۔ یعنی اس میں پوجا پاٹ وغیرہ کی حد تک مذہبی آزادی ہو۔ لیکن کاروباری دنیا میں مستقل اقدار اور خدا کے غیر متبدل اصولوں کو دخل انداز نہ ہونے دیا جائے' وہ قوم بھی تباہی سے نہیں بچ سکتی۔ یہ حقیقت بھی قوم شعیبؑ کی سرگزشت سے ہمارے سامنے آتی ہے۔

7۔ جس قوم میں جنسی بدنہادی عام ہو جائے اور اخلاقی ضوابط اور پابندیوں سے بے اعتنائی برت کر فحاشی اور بے حیائی کا شیوہ اختیار کر لیا جائے اس قوم کی کشتی بحیرہ مردار میں ڈوب جاتی ہے۔ قوم لوط کا انجام اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

8۔ جس قوم میں قانون کی حکمرانی کے بجائے برسراقتدار فرد یا گروہ کے من مانے فیصلے عوام پر مسلط کئے جائیں اور اس طرح استبداد اور قہرمانیت انسانیت کو ذبح کرنے لگ جائے' اور مذہبی پیشوائیت کی اسے تائید حاصل ہو' اس کا حشر وہی ہوتا ہے جو قوم فرعون کا ہوا تھا۔

9۔ قرآن کریم نے قوم بنی اسرائیل کی سرگزشت زیادہ تفصیل سے بیان کی ہے۔ کیونکہ وہ ان تمام جرائم کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ ان کا نظام زندگی ربوا اور مذہبی پیشوائیت کے اقتدار پر استوار تھا۔ آج کی اصطلاح میں یوں کہئے کہ ان کا نظام کیپٹلزم اور تھیاکریسی کے ستونوں پر قائم تھا۔ سرمایہ داروں کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ جس طریقہ سے چاہیں دولت سمیٹتے جائیں۔ بشرطیکہ کہ وہ صدقہ اور خیرات کے کاموں میں چندہ دے دیا کریں اور مذہبی پیشواؤں کے اقتدار کو قائم رکھیں۔ ان

کے لیڈروں کی حالت یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ لوگ ان کی جھوٹی تعریفیں کرتے رہیں اور وہ کر کے کچھ نہ دکھائیں۔ محض بیان بازی اور خطابت کے زور پر مقبولیت عامہ حاصل کرتے رہیں۔ جہاں تک مذہبی پیشواؤں کا تعلق ہے' مذہب ان کا پیشہ تھا اور دین فروشی ان کا ذریعہ معاش۔ وہ خود شریعت کے مسائل گھڑتے اور انہیں خدا کا دین کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ قوم مختلف مذہبی فرقوں میں بٹی ہوئی تھی اور ان فرقوں کے پیشوا ایک دوسرے پر کفر کے فتوے عائد کر کے عوام کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے۔ حکام کے ساتھ ان کی ساز باز تھی اور جس شخص کو دیکھتے کہ وہ ان کی مفاد پرستیوں کے راستہ میں حائل ہے اس کے خلاف پراپیگنڈہ کر کے اس پر زندگی حرام کر دیتے۔ یہ تھے اس قوم کے وہ نمایاں جرائم' جن کا نتیجہ ان کی ایسی تباہی تھی' جو تاریخ کے اوراق پر عبرت اور موعظت کی لرزہ انگیز داستان بن چکی تھی۔ اس قوم کی سرگزشت اور مال سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ جس قوم کے معاشرہ میں یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں' وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ قوموں کی تباہی کے یہی معنی نہیں کہ ان کا ہر فرد صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قوم اپنا منفرد تشخص کھو کر دوسری قوموں میں جذب ہو جاتی ہے اور یا ذلت و پستی' مفلسی و ناداری' محتاجی اور محکومی کی انسانیت سوز زندگی بسر کرنے کو باقی رہ جاتی ہے۔

یہ ہیں وہ غیر متبدل قوانین' جنہیں قرآن نے قوموں کے عروج و زوال اور موت و حیات کے حقیقی اسباب کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ قوموں کی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا کہ ادھر ان سے کوئی جرم سرزد ہوا اور ادھر ان کی تباہی آگئی۔ قوموں کی زندگی میں " خفت و ثقل موازین " کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔ یعنی ان کے نامہ اعمال کے طور پر ایک میزان کھڑی ہوتی ہے' جس میں ایک پلڑے میں ان کے تعمیری کارنامے ہوتے ہیں اور دوسرے میں تخریبی کارنامے جب تک ان کے تعمیری کارناموں کا پلڑا جھکا رہتا ہے قوم زندہ رہتی ہے۔ لیکن جب تخریبی پلڑا جھک جاتا ہے تو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ اس درمیانی عرصہ کو مہلت کا وقفہ کہا جاتا ہے۔ یعنی اس قوم کے لئے اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ اگر وہ اپنے تعمیری کاموں میں' جو اقدار خداوندی کے مطابق سرزد ہوں' اس قدر اضافہ کر لے کہ وہ پلڑا تخریبی پلڑے پر بھاری ہو جائے' تو پھر اس قوم کی زندگی میں' یوں کہئے کہ' توسیع ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر مہلت کا وقفہ ختم ہونے کے بعد وہ قوم تباہی کے جہنم میں جا گرتی ہے۔ عام نگاہیں اس انقلاب کو اس وقت دیکھتی ہیں' جب وہ محسوس شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ حالانکہ اس کا آغاز بہت پہلے سے ہو چکا ہوتا ہے اور وہ بتدریج آہستہ آہستہ' غیر محسوس طور پر' تہدق کی طرح اس مقام تک آپہنچتا ہے۔ یہ وجہ ہے جو قرآن یہ کہتا ہے کہ اس قسم کے حوادث کو دیکھ کر اس کے اسباب عاجلہ تک نہ رک جاؤ۔ اس کے بنیادی محرکات تک پہنچو۔ وہاں تمہیں نظر آئے گا کہ اس کا حقیقی سبب قانون خداوندی کی خلاف ورزی تھا۔ قانون خداوندی کی خلاف ورزی سے جو تباہی آتی ہے۔ اسے قران کریم کی اصطلاح میں عذاب کہا جاتا ہے۔

معاشرہ میں یہ عذاب مختلف شکلوں میں نمودار ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے انہیں بہ ہیت مجموعی تین شقوں میں تقسیم کیا ہے۔ سورۃ انعام میں ہے :-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْيَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۔ (6/65)

عام ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ :-

(اے رسولؐ !) تو کہہ دے کہ خدا کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ تم پر اوپر سے عذاب بھیجے' یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے' یا تمہیں مختلف فرقوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بھڑا دے اور باہم لڑائی کا مزا چکھا دے۔ غور کرو کہ ہم کس طرح اپنی آیت کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔

مفہوم اس کا یہ ہے کہ کبھی اس عذاب کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جابر اور قاہر' مستبد اور سرکش' اوپر کا طبقہ' عوام اور کمزور انسانوں کے سینے پر کابوس بن کر بیٹھ جاتا ہے اور ان کی ہڈیاں توڑ دیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ نیچے کا طبقہ (عوام) اس استبداد سے تنگ آکر اس کے خلاف بطور رد عمل' اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور وہ معاشرہ میں ایسا طوفان برپا کر دیتا ہے جس میں سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر کے طبقہ کے لوگ عوام کے مختلف گروہوں کو اپنے پیچھے لگا کر انہیں مذہبی فرقوں یا سیاسی پارٹیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور پھر یہ فرقے اور پارٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہوتے رہتے ہیں۔ اسے آپ خانہ جنگی یا سول وار کہہ لیجئے۔ یہ سب عذاب خداوندی کی مختلف شکلیں ہیں' اور اس کے قوانین سے اغراض برتنے کا فطری نتیجہ میں۔ جب یہ طوفان برپا ہوتا ہے تو صرف انہی لوگوں کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا کرتا جنہوں نے ظلم و جرائم کئے ہوں۔ وہ سب کو بہا کر لے جایا کرتا ہے۔ جب دریا کے بند کو احتیاط سے نہ باندھنے کی وجہ سے سیلاب آجاتا ہے تو وہ صرف انہی کے گھروں کو تباہ نہیں کرتا جو اس بے احتیاطی یا بددیانتی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ وہ بستیوں کی بستیوں کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ معاشرہ کے غلط نظام کے تباہ کن نتائج ہر ایک کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو بڑے موعظت آموز اور بصیرت افروز محاکاتی انداز میں بیان کیا ہے۔ جب کہا ہے کہ جہنم میں لیڈر اور عوام ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اور انہیں مطعون کریں گے کہ وہ عذاب ان کی وجہ سے آیا ہے۔ عوام خدا سے فریاد کریں گے کہ وہ ان لیڈروں کو دوہرا عذاب دے' جن کی بدکرداریوں کی وجہ سے انہیں بھی جہنم کا عذاب بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جواب ملے گا کہ تم دونوں دوہرے عذاب کے مستحق ہو۔ لیڈر اس لئے کہ انہوں نے تمہیں استعمال کیا' اور عوام اس لئے کہ وہ خاموشی سے ان کا آلہ کار بنتے رہے۔ بہرحال' صورت کچھ بھی ہو' تباہی کا عذاب سب کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے سارا ملک برباد ہو جاتا ہے' پوری کی پوری قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہوتا ہے غلط نظام معاشرہ کا نتیجہ۔

آپ اپنے معاشرہ پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ قوموں کو تباہ کرنے والے جرائم کی جو فہرست قرآن کریم نے پیش کی ہے' ان میں کوئی ایک جرم بھی ایسا ہے جو ہمارے معاشرے میں عام نہ ہو چکا ہو' اور پھر اس پر غور کیجئے کہ ان جرائم کی وجہ سے اگر اقوام سابق میں ایسی تباہی آ سکتی ہے تو ہم اس سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ بات تو ساری دیر سویر کی ہے۔ ان کی مہلت کا عرصہ ختم ہو گیا اس لئے عذاب اپنی محسوس شکل میں جلدی سامنے آگیا۔ ہماری مہلت کے وقفہ میں کچھ دیر باقی نظر آتی ہے' اس لئے' اگر حالات یہی رہے اور ہم نے اپنی تخریب کو تعمیر میں نہ بدلا تو' ہمارا انجام بھی وہی ہو گا۔ دنیا کی کوئی قوت ہمیں اس سے نہیں بچا سکتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اکثر بہی خواہان ملت' قوم کو اس آنے والی تباہی سے بچانے کی مختلف تدبیریں سوچ رہے ہیں' لیکن معاف فرمایئے کہ اگر ہم یہ کہنے کی جرات کریں کہ ان کی نگاہیں علامات مرض پر ہیں' علت مرض پر نہیں۔ یہ صرف عاجلہ اسباب کو دیکھتے ہیں' ان کے پس پردہ حقیقی محرکات کو نہیں۔ علت مرض یہی ہے کہ یہاں اخلاقی اقدار کو بری طرح سے پامال کیا جا رہا ہے۔ قانون مکافات عمل پر کسی کا ایمان نہیں رہا۔ ہر قسم کے جھوٹ اور دغابازی' دجل اور فریب میں کامیابیوں کا راز سمجھ لیا گیا ہے۔ خلاف قانون و قاعدہ جبر و استبداد کو نظم و ضبط کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ قانون شکنی اور حدود فراموشی کو آزادی سمجھ لیا گیا ہے۔ معیار تکریم و تعظیم دولت اور صرف دولت قرار پا چکی ہے۔ جب کسی معاشرہ کی کیفیت یہ ہو جائے تو پھر خدا کے غیر متبدل قانون کی رو سے اسے تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ بات صرف دیر سویر کی رہ جاتی ہے۔

* * *

ضرورت رشتہ

سیّد بخاری خاندان کی تین بچیوں کے لئے جن میں دو **بعمر** 23 سال گریجویٹ ہیں اور تیسری **بعمر** 22 سال رجسٹرڈ ہومیو ڈاکٹر ہے' کے لئے قرآنی تعلیم سے آراستہ موزوں رشتے مطلوب ہیں۔

رابطہ ۔ ش ح ۔ معرفت ناظم ادارہ طلوع اسلام

25۔ بی گلبرگ II لاہور فون 876219

جی نہیں !۔۔ اس باب میں قرآن کا یہ حکم نہیں !

جب آپ کو کوئی یہ بات کہہ دیتا ہے تو آپ خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ

فلاں معاملہ میں قرآن کا حکم کیا ہے اور ہم کیا کرتے ہیں !

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، قربانی، ترکہ، وصیت، نکاح، طلاق، اوقاف، شراب، جوا، حرام و حلال۔ یا مثلاً" شب برات، عید میلاد، قرآن کی حفاظت، ناسخ و منسوخ، تصویر کشی، موسیقی، سینما، مشاعرے، عذاب قبر، حیات بعد الممات، قومی ملکیت، آدم، نبی اکرمؐ اور علم غیب، حضورؐ کا معراج، وحی اور الہام، تاریخ اور قرآن، مرکزیت، غلام اور لونڈیاں وغیرہ

بیسیوں باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق آپ کو علم نہیں کہ قرآن کا فیصلہ کیا ہے !

لیکن آپ گھبراتے کیوں ہیں کہ آپ کو ان کا علم نہیں۔۔۔ یہ سب کچھ ایک ہی جگہ

قرآنی فیصلے

... میں مل جائے گا۔

قیمت (علاوہ ڈاک، پیکنگ خرچ)
مکمل سیٹ اعلیٰ ایڈیشن =/Rs 600
مکمل سیٹ سٹوڈنٹ ایڈیشن =/Rs 300

منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

اقبالؒ اور ختم نبوتؐ

احمدیوں (مرزائیوں) کو قومی سطح پر غیر مسلم قرار دیئے جانے کے بعد ہم نے احمدیوں کے متعلق اٹھائے جانے والے سوالات کے جوابات لکھنے سے بھی اجتناب کیا کیونکہ ہمارے نزدیک ان مباحث کا جاری رکھنا ایک طے شدہ معاملے کو Re-open کرنے کے مترادف تھا۔ ہماری اس خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض شر پسندوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو علامہ غلام احمد پرویز سے معکوس کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھول گئے کہ محض نام کی مماثلت سے تاریخ کو مسخ کرنا آسان نہیں۔ دنیا علامہ غلام احمد پرویزؒ کے ان قاطع دلائل کو بھول نہیں پائی جن کی بنا پر احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

پچھلے دنوں " اقبال اور احمدیت " کے عنوان سے شائع کی گئی جناب شیخ عبدالماجد صاحب کی ایک کتاب ہمیں تبصرے کے لئے موصول ہوئی' جس میں ایک بار پھر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ علامہ اقبالؒ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کی صداقت کے قائل تھے۔ اس قسم کی کوششیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے ان خطوط کی حقیقت جن کا اس کتاب میں سہارا لیا گیا ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ مرزا صاحب نے جب تک نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اس وقت تک علامہ اقبالؒ تو کیا ان کے سبھی معاصر انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن جب انگریزوں کا آلہ کار بن کر مرزا صاحب دوسری پٹڑی پر چل نکلے تو دوسرے مسلمانوں کی طرح علامہ اقبالؒ نے بھی انہیں گمراہ قرار دیا۔ ہر چند کہ دعویٰ نبوت کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو مسلمانوں سے الگ کر لیا تھا لیکن یہ مسلمانوں کا ظرف تھا کہ ایک طویل عرصے تک وہ اپنے آپ کو کافر کہلواتے رہے مگر احمدیوں کے لئے مراجعت کا دروازہ کھلا رکھا۔ 1974ء میں انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا تو بھی انہی کے اس دعویٰ کی بنیاد پر کہ مرزا صاحب کو نبی نہ ماننے والے ان کے نزدیک کافر ہیں۔ زیر نظر کتاب میں چونکہ کوئی نئی بات سامنے نہیں لائی گئی مگر چونکہ مصنف کو اصرار ہے کہ اس کا جواب ضرور دیا جائے لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ " اقبال اور ختم نبوت " کے عنوان سے علامہ غلام احمد پرویزؒ کے اس خطاب کو پھر سے شائع کر دیا جائے جو اس سے قبل 1975ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی اصل حقیقت بھی واضح ہو جائے گی اور ان کے متعلق اقبالؒ کا نقطہ نظر بھی نکھر کر سامنے آجائے گا۔

مدیر مسئول

عزیزان گرامی قدر۔ السلام و علیکم :

اس سال یوم اقبالؒ کی تقریب کے لئے جو موضوع تجویز کیا گیا ہے' میرے نزدیک حالات کی مناسبت سے وہ نہایت موزوں ہے۔ ایک تو اس لئے کہ ختم نبوت دین کی اساس و بنیاد ہے اور دوسرے اس بنا پر کہ علامہ اقبالؒ نے جس طرح پاکستان کا تصور دے کر مسلمانان ہند کی جدو جہد آزادی کے لئے ایک نصب العین متعین کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور عظمت کی وضاحت سے اس تحریک کو بھی نشان منزل عطا کر دیا۔ حضرت علامہؒ کے یہ اتنے بڑے احسانات ہیں کہ ان کی یاد قائم رکھنا قوم کا ملی فریضہ ہے' اس لئے بھی کہ خود اس کی دینی زندگی کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔

آج کل اس افتراء کو فضا میں عام کیا جا رہا ہے کہ علامہ اقبالؒ مرزا غلام احمدؒ کے دعویٰ کی صداقت کے قائل تھے اور ان کی جماعت کی حقانیت کے معترف۔ " احمدی " حضرات کا یہ عام شعار ہے کہ یہ **تلبیس** سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً" وہ اپنے امام (مرزا غلام احمدؒ) کی تحریروں سے چن چن کر وہ عبارتیں پیش کریں گے جن میں مرزا صاحب نے' اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں' مسلمانوں جیسے عقائد و نظریات کی تلقین کی تھی اور ان کی انبار در انبار ان تحریروں کو کبھی سامنے نہیں لائیں گے جن کی رو سے انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور تمام مسلمانوں کو خارج از اسلام قرار دے کر اپنی الگ امت کی تشکیل کی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے 1911ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں ایک تقریر کی تھی جس کا اردو ترجمہ۔۔ " ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر " کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس میں انہوں نے کہا تھا :۔

> میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر کی ذات نے ڈالا ہے' ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کا اظہار حقیقت

" احمدی " حضرات اس (اقتباس کو ہر جگہ اچھالتے پھرتے ہیں اور اسے اپنے امام کے دعویٰ کی صداقت کے لئے بطور سند پیش کرتے ہیں اور کبھی یہ نہیں بتاتے کہ خود علامہ اقبالؒ نے اس عبارت کے متعلق کیا کہا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔

> جہاں تک مجھے یاد ہے' یہ تقریر میں نے 1911ء یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اب سے (یعنی 1935ء سے) ربع صدی' پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی۔ اس تقریر سے بہت پہلے مولوی چراغ علی مرحوم نے جو مسلمانوں میں کافی سربر آوردہ تھے اور انگریزی میں اسلام پر بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے' بانی تحریک کے ساتھ تعاون کیا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے' کتاب

"براہین احمدیہ" میں بیش قیمت مدد پہنچائی لیکن مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اسے اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئیں۔ تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستہ پر پڑ جائے گی۔ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا جب ایک نئی نبوت --- بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت۔ کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہنچانا جاتا ہے۔ اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول ایمرسن' اپنے آپ کو صرف پتھر جھٹلا نہیں سکتے۔ (احمدیت اور اسلام)

مفکرین کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جوں جوں ان کے معاملہ میں وسعت اور فکر میں گہرائی پیدا ہوتی ہے' وہ اپنے سابقہ خیالات پر نظر ثانی کر کے ان میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں یہ تو صرف خاصہ نبوت ہے کہ اس کا پیغام روز اول سے آخری دن تک یکساں اور واحد رہتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس پیغام کا سرچشمہ علم خداوندی ہوتا ہے جو زمان اور مکان کی حدود سے ماورا اور ہر آن بدلنے والے احوال و کوائف کی اثر پذیری سے منزہ و معرا ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی تقریر کے متعلق جو وضاحت کی ہے اس کے علاوہ خود "احمدی" حضرات کے ہاں سے بھی ایک ایسی شہادت ملتی ہے جس کی رو سے ان حضرات کا یہ دعویٰ کہ علامہ اقبالؒ بھی قادیانیت کی صداقت کے معترف تھے' پاش پاش ہو جاتا ہے۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے "سیرت المہدی" کے عنوان سے اپنے والد کے سوانح حیات قلمبند اور شائع کئے ہیں۔ وہ اس میں لکھتے ہیں کہ :-

ڈاکٹر محمد اقبالؒ جو سیالکوٹ کے رہنے والے تھے' ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ شیخ نور محمد صاحب نے غالباً 1891ء یا 1892ء میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور سید حامد شاہ صاحب مرحوم کی تحریک پر حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کی بیعت کی تھی۔ ان دنوں سر محمد اقبالؒ سکول میں پڑھتے تھے اور اپنے باپ کی بیعت کے بعد وہ بھی اپنے آپ کو احمدیت میں شمار کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود کے معتقد تھے۔ چونکہ سر اقبالؒ کو بچپن سے شعرو شاعری کا شوق تھا اس لئے ان دنوں میں انہوں نے سعد اللہ لدھیانوی کے خلاف حضرت مسیح موعود کی تائید میں ایک نظم بھی لکھی تھی۔ مگر اس کے چند سال بعد جب سر اقبالؒ کالج میں پہنچے تو ان کے خیالات میں تبدیلی آگئی اور انہوں نے اپنے باپ کو سمجھا بجھا کر احمدیت سے منحرف کر دیا۔ چنانچہ شیخ نور محمد صاحب نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ایک خط لکھا جس

میں یہ تحریر کیا کہ آپ میرا نام اس جماعت سے الگ رکھیں۔ اس پر حضرت صاحب کا جواب میر حامد شاہ صاحب مرحوم کے نام گیا جس میں لکھا تھا کہ شیخ نور محمد کو کہہ دیں کہ وہ جماعت سے ہی الگ نہیں بلکہ اسلام سے بھی الگ ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ اپنی زندگی کے آخری ایام میں (احمدیت کے) شدید طور پر مخالف رہے اور ملک کے نو تعلیم یافتہ طبقہ میں احمدیت کے خلاف جو زہر پھیلا ہوا ہے اس کی بڑی وجہ ڈاکٹر سر اقبالؒ کا مخالفانہ پروپیگنڈا تھا۔

(سیرت المہدی -- جلد سوم صفحہ 249۔ طبع اول اپریل 1939ء)

میں ان بیانات کے تنقیدی جائزہ سے صرف نظر کرتے ہوئے' کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ " احمدی " حضرت علامہ اقبالؒ کی 1911ء کی تقریر کے ایک فقرہ کو تو اچھالتے پھرتے ہیں لیکن نہ ان کی طرف سے پیش کردہ وضاحت کا کبھی ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی خود مرزا صاحب کے صاحبزادہ کی اس شہادت کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ ہے ان کے **تلبیسی** پراپیگنڈے کے انداز کی ایک مثال۔

بہاول پور کا مقدمہ

علامہ اقبالؒ کی طرف سے تحریک " احمدیت " کی اس (بقول مرزا بشیر احمد) زہر آلود مخالفت کی ابتدا 1935ء میں ہوئی اور یہیں سے میں بھی اس داستان کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کی تمہید کے طور پر ایک اور واقعہ کا پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اسے پیش کرتے وقت مجھے کچھ جھجک سی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ذکر علامہ اقبالؒ کا ہو رہا ہے اور اس واقعہ کا تعلق خود میری اپنی ذات سے ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کا تقاضا اس جھجک پر غالب آ جاتا ہے اور اس جرأت کا کفارہ بن جاتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ 1962ء کی بات ہے کہ سابق ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ اس مقدمہ نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی اور مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں فریقین کی حیثیت بڑی ممتاز تھی --- وہ تو بالکل غیر معروف سے تھے۔ یہ اس لئے کہ (غیر منقسم) ہندوستان میں (غالباً) یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ ایک شخص قادیانی مسلک اختیار کرنے کے بعد مسلمان رہتا ہے یا نہیں ؟ اس اعتبار سے یہ متعلقہ فریقین کا مابہ النزاع معاملہ نہ رہا بلکہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں کے مابین ایک دینی سوال بن گیا جس کا عدالتی فیصلہ' ظاہر ہے کہ' بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیر سماعت رہا اور آخر الامر محمد اکبر صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) 7 فروری 1935ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ اپنی شہرت اور اہمیت کے پیش نظر' اس زمانے میں بھی الگ چھپ گیا تھا اور اس کے بعد بھی چھپتا رہا۔ میرے سامنے اس وقت اس کا وہ نسخہ ہے جسے جون 1973ء میں' " محفل ارشادیہ' سیالکوٹ " نے

شائع کیا اور جو اب عام طور پر دستیاب ہو جاتا ہے۔ اس فیصلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مدعیہ کی طرف سے بڑے بڑے جید علمائے کرام بطور گواہ پیش ہوئے۔ مثلاً" مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری اور مولانا سید انور شاہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند وغیرہ وغیرہ۔ اس سے اس معاملہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اس مسئلہ کا دارومدار اس بات پر تھا کہ نبوت کی حقیقت کیا ہے اور نبی کسے کہتے ہیں ؟ لیکن (انہوں نے کہا) مشکل یہ ہے کہ :

> موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی ناآشنا ہیں۔ اس لئے بھی ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے کہ جس پر اس قدر چیخ و پکار کی جارہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی کچھ تھوڑی سی حقیقت بیان کر دی جائے۔ مدعیہ کی طرف سے نبی کی کوئی تعریف نہیں بیان کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا جاتا ہے اور نبی اور رسول میں فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نبی کے لئے لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ فریق ثانی نے بیان کیا ہے کہ رسول ایک انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجتا ہے' برخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے۔ کتاب لائے نہ لائے۔ رسول کے لئے کتاب لانا شرط ہے۔ اسی طرح رسول کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب کتاب ہو یا سابقہ شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کر دے۔ "
>
> (فیصلہ صفحہ 107-106)

اس کے بعد فاضل جج نے لکھا۔

> یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھیں' اس لئے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی جامع تعریف مل جائے جو تصریحات قرآنی کی رو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو۔ (صفحہ 107)

اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ انہوں نے اس باب میں کافی جستجو کی۔ لیکن نبی کی کوئی جامع تعریف انہیں نہ مل سکی۔

> آخرکار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان " میکانکی اسلام " ازجناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب" میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں ان کے الفاظ میں ہی اس

حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ (صفحہ نمبر 107)

ازاں بعد انہوں نے میرے مضمون سے' خاصہ مفصل اقتباس درج کیا اور نبی کی جو تعریف میں نے پیش کی تھی اس پر مبنی بحث کے بعد اپنے فیصلہ میں کہا۔

مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔ (صفحہ 182)

اقبالؒ اور قرآن

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اس مقدمہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے جید علمائے کرام پیش ہوئے تھے جن میں سے ایک ایک کا بیان سینکڑوں صفحات پر مشتمل تھا۔ لیکن فاضل جج حقیقت نبوت کے متعلق ان میں سے کسی کے بیان سے بھی مطمئن نہ ہو سکے۔ وہ مطمئن ہوئے تو میرے ایک ایسے مضمون سے جو اس مقدمہ سے بالکل الگ آزادانہ لکھا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ میرے مضمون کی وہ کون سی خصوصیت تھی جس کی بنا پر وہ اس قدر اطمینان بخش اور قول فیصل ثابت ہو گیا۔ وہ خصوصیت یہ تھی کہ میں نے مقام نبوت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں کی تھی اور خارج از قرآن بحثوں کو اس میں دخیل نہیں ہونے دیا تھا۔ یہی مسلک علامہ اقبالؒ کا بھی تھا اور میرے دل میں ان کے احترام کی بنیاد بھی یہی ہے۔ انہوں نے اپنی سب سے پہلی تصنیف --- اسرار و رموز کے آخر میں بحضورؐ رحمت العالمین ایک عرضداشت پیش کی ہے جس میں وہ بصد سوز و گداز کہتے ہیں۔

گر دلم آئینہ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآن مضمر است

تو

پردہ ناموس فکرم چاک کن ایں خیاباں را زخارم پاک کن

اور انتہا یہ کہ

روز محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسہ پا کن مرا

اس کے برعکس

گر در اسرار قرآں سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام

عرض کن پیش خدائے عزوجل عشق من گردوہم آغوش عمل

در عمل پائندہ تر گرداں مرا

آب نیسانم گہر گرداں مرا

اور اس کے بعد بھی وہ تمام عمر مسلمانوں سے یہی کہتے رہے کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بقرآں زیستن

ختم نبوت کی ماہیت

ختم نبوت کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ نبوت کہتے کسے

ہیں۔ یہ موضوع بڑی فرصت چاہتا ہے جس کی اس وقت گنجائش نہیں۔ لیکن بایں ہمہ میں چند الفاظ میں اس کا ملخص پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ انسان عقل و فکر، مطالعہ مشاہدہ، تجربہ سے علم حاصل کرتا ہے۔ یہ ذرائع علم ہر شخص کے لئے کھلے ہوتے ہیں۔ اس لئے جو شخص بھی چاہے اپنی صلاحیت اور محنت کے مطابق اکتساب علم کر سکتا ہے لیکن علم کا ایک اور ذریعہ بھی ہے جس میں انسان کی اپنی عقل و فکر اور سعی و کاوش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ علم خدا کے ایک برگزیدہ بندے کو خدا کی طرف سے براہ راست ملتا تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ جس منتخب ہستی کو یہ علم عطا ہوتا تھا اسے اس سے ایک دن پہلے تک بھی اس کا علم و احساس نہیں ہوتا تھا کہ اسے یہ علم عطا ہونے والا ہے۔ اس علم کو وحی خداوندی یا منزل من اللہ کہا جاتا تھا۔ اور جس برگزیدہ ہستی کو یہ وحی عطا ہوئی تھی اسے نبی یا رسول کہہ کر پکارا جاتا۔ اس کی وحی کو خدا کی طرف سے عطا کردہ کتاب سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس سے واضح ہے کہ ہر نبی کو خدا کی طرف سے کتاب ملتی تھی۔ نبی اور رسول میں یہ فرق کہ رسول وہ ہوتا تھا جسے کتاب ملتی تھی اور نبی بلا کتاب آتا تھا قرآن کریم کی تعلیم سے بے خبری کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے انبیاء اور رسل دونوں کے متعلق کہا ہے کہ انہیں کتاب دی جاتی تھی۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ .... (2/213)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور ان سب کو کتاب دی۔ دوسری جگہ سورہ حدید میں ہے کہ:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ .... (57/25)

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام رسولوں کو کتاب ملی۔ ان آیات (اور انہی جیسی متعدد دیگر آیات) سے واضح ہے کہ ہر نبی اور ہر رسول کو خدا کی طرف سے کتاب ملتی تھی اور "احمدیوں" کا یہ کہنا کہ نبی بلا کتاب آتا تھا۔ قرآن کریم کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ واضح رہے کہ نبی اور رسول بھی الگ الگ نہیں ہوتے تھے۔ یہ ایک ہی ہستی کی دو خصوصیات تھیں۔ یوں کہئے کہ خدا کی طرف سے وحی پانے کی حیثیت سے اسے نبی کہا جاتا تھا اور اس وحی کو دوسروں تک پہنچانے کی حیثیت سے رسول۔ نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو گوشے تھے۔

خدا کی طرف سے وحی یا کتاب نازل ہونے کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ تاآنکہ مشیت کے پروگرام کے مطابق وہ زمانہ آگیا جب یہ سمجھا گیا کہ انسانی راہ نمائی کے لئے جو کچھ خدا کی طرف سے دیا جانا مقصود و مطلوب ہے اسے نہایت واضح اور مکمل حیثیت سے آخری مرتبہ دے دیا جائے۔ چنانچہ یہ آخری وحی حضور نبی اکرمؐ کو عطا کی گئی اور اسے قرآن کریم کے اندر محفوظ کر دیا گیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (6/116)

خدا نے جو کچھ انسانوں سے کہنا تھا، جو کلام ان سے کرنا تھا، جو باتیں ان سے کرنی تھیں اس کتاب میں انہیں مکمل طور پر دے دیا گیا ہے۔ ان میں اب کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی اس کے ساتھ ہی یہ ضمانت بھی دے دی کہ:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (15/9)

ہم نے اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ وحی تو خدا کی طرف انسانوں کے لئے راہ نمائی کی خاطر آتی تھی۔ جب وہ راہنمائی مکمل اور غیر متبدل طور پر دے دی گئی اور قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا تو پھر وحی کی ضرورت کیا باقی رہی' اور جب وحی کی ضرورت ہی نہ رہی تو پھر کسی نبی یا رسول کے آنے کا مقصد کیا! اسی حقیقت کو ختم نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں یہ نظریہ اس قدر صاف' واضح اور مسلم تھا کہ مسلمانوں کو اس باب میں نہ کبھی کوئی شک گزرا' نہ الجھن پیدا ہوئی۔ امام اعظمؒ کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے سچا ہونے کی نشانیاں دکھانے کے لئے مہلت چاہی۔ امام صاحب نے سنا تو فرمایا کہ جس شخص نے اس مدعی نبوت سے کوئی علامت بھی طلب کی وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ اس سے مترشح ہو گا کہ اسے نبی اکرمؐ کے آخری نبی ہونے کی بابت تردد ہے۔ اس سے آپ اندازہ فرمالیجئے کہ ختم نبوت کا عقیدہ مسلمانوں میں کس قدر مسلم اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر تھا۔ ختم نبوت کا عملی مفہوم یہ ہے کہ اب انسان اس راہ نمائی کی روشنی میں جسے قندیل قرآنی میں محفوظ کر دیا گیا ہے اپنے معاملات کا حل آپ دریافت کرے۔ واضح رہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان کو اب وحی کی راہ نمائی کی ضرورت نہیں رہی اور اب وہ تنہا اپنی عقل و فکر کی رو سے اپنے معاملات حل کر سکتا ہے۔ ایسا سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ انسانی' عقل اسی طرح وحی کی محتاج ہے جس طرح انسانی آنکھ سورج کی روشنی کی محتاج۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو متعدد مقالات پر (بالخصوص اپنے خطبات میں) بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ وحی کی روشنی میں انسانی معاملات کا حل انفرادی طور پر نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ یہ ایک اجتماعی نظام کی رو سے ہو گا جسے خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جاتا ہے۔ مزید سمجھنے کے لئے اسے قرآنی نظام مملکت کہہ لیجئے۔ یعنی مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت جس میں تمام کاروبار قرآن کریم کے عطا کردہ اصول و اقدار و قوانین کے تابع رہ کر سر انجام دیا جائے۔ اسی کو نظریہ پاکستان کہتے ہیں جسے علامہ اقبالؒ نے 1930ء میں پیش کیا تھا۔

یہ سیاسی تحریک تھی

مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اسے ایک مذہبی مسئلہ کی حیثیت سے پیش کیا تاکہ مسلمان اسی الجھاؤ میں رہیں اور اس مقصد اور غایت کی طرف ان کی نگاہ ہی نہ اٹھنے پائے جس کے لئے یہ سارا ڈرامہ اسٹیج کیا گیا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ تحریک " احمدیت " مذہبی تحریک ہے ہی نہیں۔ یہ ایک خالصتہً سیاسی تحریک ہے جسے انگریزوں کے حکومتی مصالح نے پیدا کیا ہے اور جسے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے مذہبی نقاب اوڑھا دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی تو اس کے خلاف انہیں سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں کی طرف سے تھا۔ سیاسی طور پر تو

اس لئے کہ انگریزوں نے مسلمانوں کی سلطنت چھینی تھی اور مذہبی سطح پر اس لئے کہ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھا کہ مسلمان غیر مسلموں کی حکومت کے تابع زندگی بسر کرنا خلاف اسلام سمجھتے تھے اور ایسی حکومت کے خلاف جہاد کرنا اپنا دینی فریضہ۔ آپ ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب (Indian Musalmans The) اٹھا کر دیکھئے۔ اس نے اس حقیقت کو بڑے واشگاف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اسی دینی جذبہ کے ماتحت حضرت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تحریک جہاد شروع کی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی تہ میں بھی اسے یہی جراثیم کارفرما نظر آتے ہیں اور اس کے بعد وہابی تحریک کو بھی وہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی بیان کرتا ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان کے دین فروش علماء سے اس قسم کے فتاوی بھی حاصل کر لئے جن میں کہا گیا تھا کہ انگریزوں کی اطاعت فرض ہے اور ان کے خلاف جہاد حرام۔ لیکن مسلمانوں پر ان فتوئی کا چنداں اثر نہ ہوا۔ ہمارے علماء کے فتاوئی عام طور پر اپنی اثر انگیزی کھو چکے تھے۔ اس سلسلہ میں برطانوی سیاستدان اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمان صرف وحی سے متاثر ہو سکتا ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ ان پر خود خدا نے حکومت برطانیہ کی اطاعت فرض قرار دی ہے اور اس نے جہاد کو منسوخ اور حرام قرار دیا ہے۔ یہ تھا وہ پردہ جسے علامہ اقبالؒ نے 1935ء میں یہ کہہ کر اٹھایا کہ :-

> مسلمانوں کے مذہبی تفکر کی تاریخ میں " احمدیت " کا موقف ہندوستان کی موجودہ سیاسی غلامی کی تائید کی الہامی بنیاد فراہم کرتا ہے۔
>
> (احمدیت اور اسلام۔ بحوالہ ختم نبوت اور تحریک " احمدیت " پہلا ایڈیشن صفحہ 194)

اس کی تشریح میں انہوں نے کہا کہ:

> مسلمان عوام کو جن میں مذہبی جذبہ بہت شدید ہے صرف ایک چیز قطعی طور پر متاثر کر سکتی ہے۔ یعنی وحی کی سند۔ لہٰذا راسخ عقاید کو موثر طریق پر جڑ بنیاد سے اکھیڑنے اور مذکورہ بالا سوالات میں جو دینی نظریات مضمر ہیں ان کی ایک ایسی نئی تفسیر و تعبیر کرنے کے لئے جو سیاسی طور پر مفید طلب ہو' یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس کی بنیاد وحی پر رکھی جائے۔ یہ بنیاد " احمدیت " نے فراہم کر دی۔ خود " احمدیوں " کا دعوئی ہے کہ برطانوی شہنشاہیت کی یہ سب سے بڑی خدمت ہے جو انہوں نے سرانجام دی ہے۔
>
> (احمدیت اور اسلام۔ انگریزی ایڈیشن صفحہ 126)

میں نے اس اجمال کی تفصیل اپنی کتاب " ختم نبوت " اور تحریک احمدیت " میں مرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں کی روشنی میں پیش کی ہے۔ انہی میں سے چند ایک میں اس وقت آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

مرزا صاحب کی خاندانی خدمات

انگریزوں کو اس مقصد کے لئے جس قسم کی شخصیت کی ضرورت تھی اس کے لئے اپنے آپ کو بطور

" امید وار " پیش کرتے ہوئے مرزا غلام احمد نے عرضداشت پیش کی کہ :

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفا دار اور خیرخواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر **گریفن** صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے گئے۔ (کتاب البریہ' صفحہ نمبر 3)

اس کے بعد انہوں نے کہا۔

پھر میرے والد کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تمو کی رہگذر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے۔ (ایضاً" صفحہ 5)

ان " خدمات جلیلہ " کی روشنی میں' مرزا صاحب اس منصب کے لئے منتخب کر لئے گئے اور انہوں نے مامور من اللہ ہونے کے دعاوی شروع کر دیئے۔ انہوں نے پہلی ہی جست میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ایک سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق بتدریج اس مقام پر پہنچے۔ ملہم ربانی' صاحب کشف والہام' محدث' مجدد' مسیح موعود' ظلی' بروزی' حلولی نبوت' اور پھر آخرالامر مکمل نبوت اور رسالت ۔۔۔ ایسا تدریجی پروگرام کیوں اختیار کیا گیا۔ اس کی مصلحت خود انہی کی زبان سے سنئے۔ مرزا صاحب شروع میں عام مسلمانوں کی طرح یہی کہتے چلے آرہے تھے کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو آیات آئی ہیں ان میں حضرت عیسیٰؑ سے مراد وہی پیغمبر ہیں جو رسولؐ اللہ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں اور ان آیات میں میرے ہی متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ شروع کے بیانات اور اس دعویٰ میں اختلاف کیوں ہوا' اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

بیچ میں پھنسانے کے لئے

یہ الہامات اگر میری طرف سے اس موقعہ پر ظاہر ہوتے جب کہ علماء مخالف ہو گئے تھے' تو وہ ہزار ہا اعتراض کرتے۔ لیکن وہ ایسے موقعہ پر شائع کئے گئے جب کہ یہ علماء میرے موافق تھے۔ یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے' ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ ان کو قبول کر چکے تھے' اور سوچنے سے ظاہر ہو گا کہ میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسیٰؑ رکھا اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس بیچ میں پھنس گئے۔ (اربعین نمبر 2 صفحہ 21)

انگریزوں کی اطاعت

آپ نے غور فرمایا کہ بتدریج دعویٰ کرنے میں کیا مصلحت پنہاں تھی! یہ بہرحال ان کے دعاوی کی سیڑھیاں تھیں۔ لیکن ہر دعوے کی لم اور غایت ایک ہی تھی۔ یعنی یہ کہ انگریزوں کی اطاعت فرض ہے۔ مثلاً" قرآن کریم میں ہے کہ أَطِيعُوا اللّٰهَ [وَأَطِيعُوا] الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (4/59)۔ مرزا صاحب نے اس آیت کے لکھنے کے بعد تحریر کیا کہ:-

اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے اور جسمانی طور پر یہ جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔ اس لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔ (ضرورت الامام۔ صفحہ 23)

علامہ اقبال" ضرب کلیم میں نفسیات غلامی کے عنوان سے کہتے ہیں کہ۔

سخت باریک ہیں امراض امم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیاں کوتاہی
دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں فقط اک فلسفہ روباہی
ہو اگر قوت فرعون کی در پردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہی

جہاد حرام ہے

اس طرح مرزا صاحب آہستہ آہستہ اس مقام پر پہنچ گئے جس کے لئے یہ سارا ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔ یعنی انہوں نے اعلان کر دیا کہ جہاد حرام ہے۔ انہوں نے کہا۔

اب اس آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا' خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول کریمؐ کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ (اربعین نمبر 4۔ صفحہ 47)

اپنے اسی " الہام " کو نظم میں یوں بیان فرمایا کہ

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
(مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم۔ صفحہ 49)

گورنمنٹ کی خدمت میں درخواستیں

اس کے بعد ان کی " نبوت " کا فریضہ یہ قرار پا گیا کہ وہ اس خیال کو عام کرتے رہیں کہ جہاد حرام ہے جہاد حرام ہے۔ وہ یہ کرتے تھے اور ساتھ کے ساتھ اس کی اطلاع حضور گورنمنٹ برطانیہ کو دیتے رہتے تھے۔ مثلاً" انہوں نے 10 دسمبر 1894ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا " اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ جو جناب ملکہ **معظمہ** قیصرہ ہند اور جناب گورنر جنرل ہند اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر معزز حکام کے ملاحظہ کے لئے شائع کیا گیا " اس میں انہوں نے لکھا۔

میں نے برابر سولہ برس سے یہ اپنے پر حق واجب ٹھہرا لیا ہے کہ اپنی قوم کو اس گورنمنٹ کی خیر خواہی کی طرف بلاؤں اور ان کو سچی اطاعت کی طرف ترغیب دوں۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے سرانجام کے لئے اپنی ہر اک تالیف میں یہ لکھنا شروع کیا کہ اس گورنمنٹ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں ہے۔

دوسری جگہ لکھا ہے۔

میں نے خدا تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ کوئی مبسوط کتاب بغیر اس کے تالیف نہیں کروں گا جو اس میں احسانات قیصرہ ہند کا ذکر نہ ہو۔ (نور الحق۔ حصہ اول صفحہ 28)

وہ اپنی کتاب تریاق القلوب میں لکھتے ہیں۔

میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ (صفحہ 15)

چنانچہ وہ فخریہ بیان کرتے ہیں کہ میری ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ :۔

لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ

برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہ سکا۔
(ستارہ قیصرہ۔ صفحہ 3)

یہ تھا اس نبوت جدیدہ کا ماحصل۔ اقبالؒ کس درد و سوز سے کہتے ہیں کہ :۔

ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
اس کے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی ہو جاتی ہے خاک چنستان شرر آمیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغان سحر خیز
اس مرد خود آگاہ و خدا مست کی صحبت دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز
(ضرب کلیم صفحہ 51)

فریاد! مجھے مولوی ستاتے ہیں!

وحی خداوندی کی تاثیر سے تو فی الواقعہ خاک چنستان شرر آمیز اور بلبل ناتواں میں شاہین کی ادا نمودار ہو جاتی ہے لیکن ہمارے دور کے مدعی نبوت کی کیفیت یہ ہے کہ وہ " حضور گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں عاجزانہ درخواست " پیش کرتے ہیں جس میں کہتے ہیں کہ :۔

میں اس گورنمنٹ محسنہ کے زیر سایہ ہر طرح سے خوش ہوں۔ صرف ایک رنج اور درد اور غم مجھے لاحق ہے جس کا استغاثہ پیش کرنے کے لئے اپنی محسن گورنمنٹ کی خدمت میں حاضر ہوں اور وہ یہ کہ اس ملک کے مولوی، مسلمان اور ان کی جماعتوں کے لوگ حد سے زیادہ مجھے ستاتے اور دکھ دیتے ہیں۔ (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ 53)

انگریزوں کا خود کاشتہ پودا

اس کے بعد وہ سرکار عالیہ سے کہتے ہیں کہ ہم جو آپ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں تو کچھ اپنی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ یہ اس پودے کی حفاظت کے لئے ہے جو خود آپ کے اپنے ہاتھوں کا لگایا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لیفٹیننٹ گورنر بہادر کے نام اپنی درخواست مورخہ 24 فروری 1898ء میں کہتے ہیں۔

میری اس درخواست سے جو حضور کی خدمت میں معہ اسمائے مریدین روانہ کرتا ہوں، مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں ان خدمات خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اخلاص اور جوش اور وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لئے کی ہیں، عنائت خاص کا مستحق ہوں۔ صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ

سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو ارشاد فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھے۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ مورد مراحم گورنمنٹ ہے۔

وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے۔ ہرگز نہیں پا سکتے۔ (ازالہ اوہام۔ صفحہ 509)

وہ اپنے اشتہار مورخہ 22 مارچ 1897ء میں لکھتے ہیں۔

میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں۔ نہ روم میں نہ شام میں۔ نہ ایران میں نہ کابل میں۔ مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے میں دعا کرتا ہوں۔ (مندرجہ تبلیغ رسالت۔ جلد ششم صفحہ 69)

وقت کی کمی کی بنا پر میں انہی اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو احباب مزید تفصیل دیکھنا چاہیں' وہ میری کتاب ۔۔ " ختم نبوت اور تحریک احمدیت " کا مطالعہ فرما لیں جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں' میں نے یہ بھی تفصیل سے بتایا ہے کہ مرزا صاحب نے کس طرح نبوت کا دعویٰ کیا۔ مسلمانوں کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیا اور اپنے متبعین پر مشتمل ایک نئی امت کی تشکیل کی۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے اور اب میں اسی کے متعلق کچھ تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

امت رسول کی نسبت سے متشکل ہوتی ہے۔

دنیا میں خدا کے ماننے والے عام ہوتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی تخصیص و تمیز نہیں ہوتی۔ لیکن ایک جداگانہ امت کی تشکیل اس رسول پر ایمان لانے سے ہوتی ہے جسے اس کے پیرو سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی سمجھیں۔ مثلاً" ایک یہودی حضرت عیسیٰؑ سے پیشتر کے تمام انبیائے بنی اسرائیل پر ایمان لاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ امت عیسوی کا فرد قرار نہیں پاتا۔ جس دن وہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت پر ایمان لے آتا ہے وہ قوم یہود کا فرد نہیں رہتا' عیسائی امت کا فرد بن جاتا ہے۔ اسی طرح ایک عیسائی رسول اللہ صلعم سے پہلے کے تمام انبیاءؑ پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ امت محمدیہ کا فرد نہیں بنتا جس دن وہ نبوت محمدیہ پر ایمان لے آتا ہے وہ عیسائی امت کا فرد نہیں رہتا۔ امت محمدیہ کا فرد قرار پا جاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق اگر کوئی شخص رسولؐ اللہ کے بعد کسی نبوت پر ایمان لے آتا ہے تو وہ امت محمدیہ کا فرد نہیں رہتا۔ اس نئے نبی کی امت کا فرد قرار پا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو " رموز بے خودی " میں بڑے دلاویز انداز میں بیان کیا ہے۔ جب کہا ہے۔

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید !
وز رسالت در تن ما جاں دمید
حرف بے صوت اندریں عالم بدیم
از رسالت مصرعہ موزوں شدیم
ما ز حکم نسبت اوؐ ملتیم
اہل عالم را پیام رحتیم
فرد از حق ملت ازوئے زندہ است
از شعاع مہر او تابندہ است
از رسالت ہمنوا گشتیم ما
ہم نفس، ہم مدعا گشتیم ما

مسلمان جو ایک جداگانہ امت کے فرد قرار پاتے ہیں تو خدا پر ایمان کی بنا پر نہیں بلکہ محمد رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لانے کی بنا پر ایسا قرار پاتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ کے فرد اسی صورت میں قرار پا سکتے ہیں کہ یہ حضورؐ کو سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی سمجھیں۔ ختم نبوت کے معنی یہی نہیں کہ حضورؐ کی ذات گرامی پر نبوت ختم ہو گئی بلکہ اس کا عملی مفہوم یہ ہے کہ اب دنیا میں دین کی بنیادوں پر کوئی نئی امت وجود میں نہیں آ سکتی۔ حضرت علامہؒ اس باب میں فرماتے ہیں :۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد

اور اس ساری بحث کا نکتہ آخریں یہ ہے۔

رونق از ما محفل ایام را اوؐ رسل را ختم و ما اقوام را

ساری بحث چار لفظوں میں ختم اوؐ رسل را ختم وما اقوام را۔ اسی حقیقت کو وہ بانگ درا میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

بے خبر جوہر آئینہ ایام ہے تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

وہ " احمدیت اور اسلام " میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین خدا کی طرف سے ظاہر ہوا۔ لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت، رسول کریمؐ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔

خود مرزا غلام احمد بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" میں لکھتے ہیں۔

جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اس دعویٰ میں ضرور ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرے اور نیز یہ بھی کہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے میرے پر وحی نازل ہوئی ہے اور نیز خلق اللہ کو وہ کلام سنا دے جو اس پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل

ہوا ہے اور ایک امت بنا دے جو اس کو نبی سمجھتی ہو اور اس کی کتاب کو کتاب اللہ جانتی ہو۔ (صفحہ 44)

اسی بنا پر مرزا صاحب نے اپنے متبعین کو مسلمانوں سے الگ قرار دیا اور ان کی ایک نئی امت تشکیل کی اور 1901ء کی مردم شماری میں خود درخواست دے کر انہ ایک الگ جماعت کی حیثیت سے شمار کرایا۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ مرزا صاحب نے اپنی الگ امت کیوں بنائی' اخبار الفضل نے لکھا۔

کیا مسیح ناصری نے اپنے پیروؤں کو یہود بے بہبود سے الگ نہیں کیا؟ کیا وہ انبیاء حق جن کے سوانح کا علم ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ جماعتیں بھی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اپنی جماعتوں کو غیروں سے الگ نہیں کر دیا؟ ہر ایک شخص کو ماننا پڑے گا کہ بے شک کیا ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب نے بھی جو کہ نبی اور رسول ہیں اپنی جماعت کو منہاج نبوت کے مطابق غیروں سے الگ کر دیا تو نئی اور انوکھی بات کون سی کی! (الفضل بابت 26 فروری۔۔ 2 مارچ 1918ء)

انہوں نے' اپنی امت کو امت محمدیہؐ سے الگ بھی ایسے واضح اور نکھرے الفاظ سے کیا کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہ جائے۔ انہوں نے کہا کہ :

خدائے تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس تک میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں۔

(ارشاد مرزا صاحب منقول از اخبار الفضل۔ بابت 15 جنوری 1935ء)

میاں محمود صاحب اس سے بھی آگے بڑھے اور فرمایا کہ :

کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوتے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ (آئینہ صداقت صفحہ 35)

مرزا صاحب کے دوسرے صاحبزادہ' بشیر احمد کہتے ہیں۔

ہر ایک شخص جو موسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا۔ یا عیسیٰؑ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا۔ یا محمدؐ کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا۔ وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (حکمۃ الفضل۔ مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد)

جب مسلمان' دائرہ اسلام سے خارج قرار پا گئے تو دین کی بنیادوں پر ان سے ہر قسم کے تعلقات بھی ناجائز ہو گئے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ان کا جنازہ پڑھنا بھی ناجائز۔۔۔ مرزا صاحب نے خود اپنے بیٹے (فضل احمد) کا جنازہ بھی اس لئے نہ پڑھا کہ وہ " غیر احمدی " تھا اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب' قائد اعظمؒ کے جنازہ کی نماز میں بھی اسی لئے شریک نہ ہوئے' غیر مسلموں کے ساتھ ایک طرف الگ کھڑے رہے۔ جہاں تک مسلمانوں کے ساتھ رشتوں ناطوں کا تعلق ہے' انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان

کی لڑکیاں لی تو جا سکتی ہیں انہیں لڑکیاں دی نہیں جا سکتیں۔ مرزا محمود صاحب نے کہا تھا کہ اس باب میں ان کی پوزیشن' ہندوؤں اور سکھوں جیسی ہے کہ ان کی لڑکیاں بھی لی جا سکتی ہیں' انہیں لڑکیاں دی نہیں جا سکتیں۔ (الفضل۔ 17 جولائی 1921ء)

انہی فیصلوں کی رو سے' صاحبزادہ بشیر احمد نے لکھا کہ :

غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ ہو گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر رہ سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلق کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دے دیئے گئے ہیں۔ (حکمتہ الفضل)

الگ قوم قرار دی جائے

علامہ اقبالؒ نے ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے 1935ء میں یہ تحریک اٹھائی اور تجویز یہ کیا کہ:

میری رائے میں حکومت کے لئے بہترین طریق کار یہ ہو گا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہو گا اور مسلمان ان سے ویسی ہی رواداری سے کام لے گا جیسے وہ باقی اہل مذاہب کے معاملے میں اختیار کرتا ہے۔ (احمدیت اور اسلام)

میں نے جو اقتباسات آپ حضرات کے سامنے پیش کئے ہیں ان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ مرزا غلام احمد کے متعین روز اول سے اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ امت تصور کرتے تھے۔ وہ اس تصور کی عام نشر و اشاعت بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو کہتے مسلمان ہی تھے۔ وہ ایسا کیوں کرتے تھے۔ اس کے متعلق' علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

اس امر کے سمجھنے کے لئے کسی خاص ذہانت یا غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے کہ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں پھر وہ سیاسی طور پر مسلمانوں میں رہنے کے لئے کیوں مضطرب ہیں۔ علاوہ سرکاری ملازمتوں کے مفاد کے ان کی موجودہ آبادی جو چھپن ہزار ہے' انہیں کسی اسمبلی میں ایک نشست بھی نہیں دلا سکتی اور اس لئے انہیں سیاسی اقلیت کی حیثیت بھی نہیں مل سکتی نہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ قادیانیوں نے اپنی جداگانہ سیاسی حیثیت کا مطالبہ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجالس قانون ساز میں ان کی نمائندگی نہیں ہو سکتی۔ (احمدیت اور اسلام)

ان لوگوں کی اسی دو رخی پالیسی کے پیش نظر انہوں نے (علامہ اقبالؒ) سے کہا تھا کہ' بہائیت' قادیانیت سے زیادہ دیانت دار ہے کہ انہوں نے اگر دعویٰ نبوت کیا ہے تو اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ امت

قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے حکومت سے کہا یہ تھا کہ وہ اس معاملہ کو یکسو کر دے اور جس بات کو یہ لوگ اپنے عقیدے کے طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں (یعنی مسلمانوں سے ایک الگ امت) اسے قانونی حیثیت دے دیں۔ انگریزی حکومت نے اس تجویز کو قابل قبول نہ سمجھا کیونکہ یہ خود ان کے مصالح اور مقاصد کے بھی خلاف جاتی تھی۔ تشکیل پاکستان کے بعد بھی مسلمانوں نے اس مطالبہ کو متعین طور پر پیش نہ کیا' یا یوں کہئے کہ یہ آواز شور و غوغا میں گم ہو جاتی رہی۔ البتہ طلوع اسلام اسے متعین طور پر دہراتا رہا تا آنکہ ستمبر 1974ء میں اس نے قانونی شکل اختیار کر لی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا سہرا بالواسطہ حضرت علامہؒ ہی کے سر بندھتا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

لاہوری " احمدی "

لاہوری " احمدی " یہ کہہ کر لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے۔ مسیح موعود مانتے ہیں اور یہ ایسا دعویٰ نہیں جس کے نہ ماننے سے کوئی مسلمان کافر قرار پا جائے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ قادیانیوں کے ساتھ ہمیں بھی کیوں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے آیئے ہم دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے۔

مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا بھی دعویٰ کیا تھا اور انہوں نے کون سا دعویٰ نہیں کیا تھا؟ ملہم' مامور من اللہ' محدث' مجدد' ظلی' بروزی' حلولی' حقیقی نبیؐ' محمدؐ کا اوتار' خود محمدؐ' کرشن گوپال وغیرہ انہوں نے ان کے دعویٰ مسیح موعود کے منکرین کے متعلق کہا۔

> کفر دو قسم پر ہے۔ ایک کفر یہ ہے کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آں حضرتؐ کو رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً" وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے' کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ (حقیقتہ الوحی ۔ صفحہ 179)

آپ دیکھیں گے کہ لاہوری " احمدی " حضرات مرزا صاحب کی اس عبارت کو کبھی پیش نہیں کریں گے۔ یہ تو رہا مرزا صاحب کو مسیح موعود نہ ماننے والوں کے متعلق کہ وہ کافر ہیں۔ اب مرزا صاحب کا خود اپنے متعلق فتویٰ بھی سن لیجئے۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے جہاد بالسیف کو منسوخ قرار دیا اور اسے حرام بتایا۔ جہاد بالسیف قرآن کریم کا جس قدر اہم حکم ہے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کے کسی حکم کو منسوخ قرار دینے والے کے متعلق مرزا صاحب کا فیصلہ ملاحظہ فرمایئے۔ وہ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں۔

> ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی

ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی و تغیر کر سکتا ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔

(صفحہ 138 بحوالہ پیغام صلح۔ بابت 5 دسمبر 1973ء)

اب آپ سوچئے کہ مسلمانوں نے اگر مرزا صاحب کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے تو یہ خود مرزا صاحب کے فیصلے کے مطابق ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بحث ہی بیکار ہے کہ لاہوری جماعت مرزا صاحب کو کیا مانتی ہے اور قادیانی (ربوی) جماعت کیا؟ لاہوری جماعت کا یہی کہنا ہے نا' کہ مرزا صاحب کو نبی تو ربوہ والے مانتے ہیں۔ ہم انہیں ایسا نہیں مانتے۔ اس لئے ربوہ والوں کے ساتھ ہمیں بھی دائرہ اسلام سے خارج کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک جو لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جانا درست ہے۔ لیکن ٹھہریئے یہ بھی فریب دہی کی ایک اور شکل ہے۔ لاہوری " احمدی " قادیانیوں و اہل ربوہ کو بھی دائرہ اسلام سے خارج قرار دیئے جانے کے لئے تیار نہیں۔ جس زمانے میں یہ سوال زیر غور تھا' کہ " احمدیوں " کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تو لاہوری جماعت نے اپنے اخبار " پیغام صلح " کی اشاعت بابت 30 مئی 1973ء میں لکھا تھا۔

ان حالات میں اول تو کسی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا صحیح نہیں اور اگر اس شوق کو پورا ہی کرنا ہے .... تو کم از کم " احمدیوں " کے اس گروہ کو اس سے **مستثنے** کرنا ضروری ہے جو حضرت خاتم النبیینؑ کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کے قائل نہیں۔ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں ہیں۔ ہمارے نزدیک قادیانی ہو یا غیر قادیانی ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اس کو غیر مسلم قرار دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

آپ نے دیکھا کہ قادیانی اور لاہوری' اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ان کا باہمی نزاع' جنگ زرگری سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ میں نے اسی بنا پر تجویز کیا تھا کہ قانون یہ پاس ہونا چاہیے کہ مرزا غلام احمد کو مسلمان سمجھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

مقام نبوت

ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ علامہ اقبالؒ نے 1935ء میں جو تجویز پیش کی تھی کہ مرزا غلام احمد کے **متبعین** کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور جسے قانونی حیثیت ستمبر 1974ء میں مملکت پاکستان میں دی گئی وہ کس قدر مبنی بر حقیقت اور خود مرزا صاحب کے مسلک کے عین مطابق تھی۔ لیکن قطع نظر' ان قانونی مباحث کے' مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت نے خود منصب نبوت کی اہمیت و قدر،

تذلیل کی ہے جس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ انہوں نے نبوت جیسے بلند و بالا منصب کو' جو شرف و مجد انسانیت کی معراج کبریٰ ہے' انتہائی پست سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ میں نے شروع میں بتایا ہے کہ بہاول نگر کے ڈسٹرکٹ جج محمد اکبر مرحوم نے اپنے فیصلے میں کہا تھا کہ انہوں نے مقام نبوت کو میرے مضمون سے سمجھا اور اسی بنا پر اپنا فیصلہ صادر کیا۔ میں نے اس کے بعد مقام نبوت کے متعلق اپنی کتاب " معراج انسانیت " میں بڑی شرح و **بسط** سے لکھا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ میں اس سلسلہ میں اس کا ایک اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ میں نے اس میں لکھا ہے۔

> نبوت کا مقام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ اس کے تصور سے روح میں بالیدگی' نگاہوں میں بصیرت' ذہن میں جلا' قلب میں روشنی' خون میں حرارت' بازوؤں میں قوت' ماحول میں درخشندگی' فضا میں تابندگی' اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نبی کا پیغام انقلاب آفریں' دین و دنیا کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوتا ہے۔ وہ مردوں کی بستی میں صور اسرافیل پھونک دیتا ہے۔ اس سے قوم کے عروق مفلوج میں پھر سے خون حیات رقص کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی ملت کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے اور ان کے ایک ہاتھ میں زمین کی خلافت اور دوسرے میں آسمان کی بادشاہت دے دیتا ہے۔ وہ اپنی ہوش ربا تعلیم اور محیر العقول عمل سے باطل کے تمام نظامہائے کہنہ کی بنیادیں اکھیڑ کر آئین کائنات کو ضابطہ خداوندی پر متشکل کر دیتا ہے۔ اس سے زندگی ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ آرزوئیں آنکھیں ملتی ہوئی اٹھتی ہیں۔ ولولے جاگ پڑتے ہیں۔ ایمان کی حرارتیں' دلوں میں سوز اور جگر میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ تازہ امیدوں کی کلیاں مہکتی ہیں۔ زندگیاں مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں اور اس خوشی میں تازہ امیدوں کی کلیاں مہکتی ہیں۔ زندگی میں مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں اور اس خوش بخت قوم کا صحن چمن' دامان صد باغبان و کف ہزار گلفروش کا فردوسی منظر پیش کرتا ہے۔ حکومت الہیہ کا قیام اس کا نصب العین اور قوانین خداوندی کا نفاذ اس کا منتہیٰ ہوتا ہے۔ جب اس کے ہاتھوں خدا کی بادشاہت کا تخت اجلال بچھتا ہے تو باطل کی ہر طاغوتی قوت پہاڑوں کے غاروں میں منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ جور و استبداد کے قصر فلک بوس کے کنگورے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ طغیان و سرکشی کے **آتشکدے** ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کی قدوسی جماعت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے باہر نکلتا ہے تو فتح و ظفر اس کی رکاب چومتی ہے۔ شوکت و حشمت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ سرکش اور خود پرست قوتیں اس خدائے واحد کا کلمہ پڑھتی ہیں اور خدا اور اس کے فرشتے ان انقلاب آفریں ملکوتی کارناموں پر تحسین و تبریک کے پھولوں کی بارش کرتے ہیں۔ **ان اللہ وملئکتہ' یصلون علی النبی۔**

یہ تھا مقام نبوت جسے شمع قرآنی سے اکتساب ضیا کے بعد میں نے ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔ اس کے بعد ہمارے سامنے ایک مدعی نبوت آتا ہے جس کی ساری عمر انگریزوں جیسی ابلیسی سیاست کی حامل قوم کی غلامی کی تلقین و تاکید میں گزر جاتی ہے۔ وہ لیفٹیننٹ گورنر بہادر کو درخواستوں پر درخواستیں گزارتا ہے کہ میں نے آپ کی اس قدر خدمت کی ہے' آپ اس کے صلہ میں میری حفاظت بھی کریں اور خصوصی مراعات سے بھی نوازیں! سوچئے عزیزان من! کہ اس سے نبوت کو کس مقام پر لے آیا گیا ہے؟ یہی وہ احساس تھا جس سے تڑپ کر اقبالؒ نے کہا تھا کہ :۔

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

مقام نبوت کے تعارف کے بعد' میں نے اپنی مذکورہ صدر کتاب میں لکھا تھا۔

مقام نبوت تو ایک طرف' شمع نبویؐ سے اکتساب ضیا کرنے والے مرد مومن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں سے قوموں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس کی شمشیر جگردار کے سامنے لرزا براندام ہوتی ہیں۔ اس کی قوت بازو حکومت خداوندی کے تمکن و بقا کی ضامن ہوتی ہے۔ وہ قوانین خداوندی کا عملاً" نفاذ کرتا ہے۔ یہ وہ " مجدد " ہوتا ہے جس کی قوت ایمانی اور بصیرت فرقانی سے محمد رسول اللہ والذین معہ کے عہد رسالت مہد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ " مسیحا " ہوتا ہے جس کے اعجاز نفس سے مردہ قوم میں از سر نو زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ وہ " مہدی " ہوتا ہے جو خود اللہ کے صراط مستقیم پر گامزن ہو کر ساری دنیا کے لئے ہدایت و رشادت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ یہی وہ مرکز ہوتا ہے جس کے گرد ایسی جماعت کا دائرہ کھنچ جاتا ہے جس کے متعلق فرمایا کہ۔

يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَه اَذِلَّة عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّة عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ .... (5/54)

اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے۔ وہ مومنوں کے سامنے جھکے ہوئے اور مخالفین کے مقابل میں غالب ہوتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔

مومنین کی جرات ایمانی

حضرت انبیاء کرام کا مقام تو ایک طرف رہا' عام مومنین کی جرأت ایمانی کی کیا کیفیت ہوتی ہے' اس کے لئے خود قرآن کریم نے ایک واقعہ درج کیا ہے جو عبرت و موعظت کی ہزار داستانیں اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ جب ساحرین دربار فرعون نے صداقت کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ کر خدا پر ایمان کا اعلان کر دیا تو فرعون نے بجلی کی سی کڑک اور شیر کی سی دھاڑ کے ساتھ کہا کہ

تمہیں یہ جرأت کس طرح سے ہو گئی کہ میری اجازت کے بغیر ایمان کا اعلان کر دو ! تم دیکھو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ میں تمہیں حوالہ دار درسن کر دوں گا اور تمہارے ایک ایک حصہ بدن کو کٹوا کر الگ کر دوں گا۔ ان مومنین نے (جنہیں ایمان لائے ابھی چند **ثانیے** ہی گزرے تھے) اس قہر آلود دھمکی کو نہایت سکون و سکوت کے ساتھ سنا اور ایک تبسم زیر لب کے ساتھ کہا۔ **ناتض ما انت قاض** (20/70)--- جو تیرے جی میں آئے کر لے۔ **انا امنا بربنا** --- ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں اور پھر تو ہمارے ساتھ کر بھی کیا کر سکتا ہے **انام تقضی هذه الحیوة الدنیا** --- تیرا دائرہ اختیار ہماری اسی دنیاوی زندگی تک ہے اور زندگی تو یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ آگے بھی بڑھتی ہے اور اس دائرے تک تجھے رسائی ہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تو ہمیں ڈراتا کس بات سے ہے !

یہ ہوتی ہے مومنین کی جرأت ایمانی ! اس کے برعکس اس مدعی نبوت کی " جرأت ایمانی " کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگائیے۔ مرزا صاحب نے جب اپنے ان الہامات کی نشر و اشاعت کی جن میں اپنے مخالفین پر خدا کے عذاب کی وعید تھی تو بٹالہ کے مولوی محمد حسین (مرحوم) نے ان کے خلاف زیر دفعہ (107) تعزیرات ہند' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ' گورداسپور کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ دفعہ (107) کے تحت اگر جرم ثابت بھی ہو جائے تو سزا پھانسی نہیں ہوتی' ضمانتیں ہو جاتی ہیں۔ لیکن مرزا صاحب کی جرأت ایمانی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے عدالت میں معافی نامہ داخل کر دیا جس کے الفاظ یہ تھے۔

میں' مرزا غلام احمد قادیانی بحضور خداوند تعالیٰ باقرار صالح اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ:-

1۔ میں آئندہ ایسی پیش گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کئے جا سکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ مورد عتاب الٰہی ہو گا۔

2۔ میں خدا کے پاس ایسی اپیل (فریاد و درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو یا ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ مورد عتاب الٰہی ہے' یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔

3۔ میں کسی چیز کو الہام بتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا جس کا یہ منشاء ہو یا جو ایسا منشاء رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (یعنی مسلمان ہو' خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلت اٹھائے گا یا مورد عتاب الٰہی ہو گا ....

4۔ جہاں تک میرے احاطہ طاقت میں ہے میں تمام اشخاص کو جن پر کچھ میرا اثر یا اختیار ہے' ترغیب دوں گا کہ وہ بھی بجائے خود اس طریق پر عمل کریں جس طریق پر

کاربند ہونے کا میں نے دفعہ نمبر 1 تا نمبر 5 میں اقرار کیا ہے۔

العبد گواہ شد۔

خواجہ کمال الدین

بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی

مرزا غلام احمد بقلم خود

دستخط جے ایم ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ 24 فروری 1899ء

سچ کہا تھا اقبالؒ نے کہ :۔

میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہہ مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی شب تار میں دیکھی میں نے یہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہ تمام
وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

والسلام

* * *

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ، ۲۴۴۷۵۳۷-۲۴۴۱۰۴۵
فیکس نمبر :- ۴۴۱۹۸۷۰۹۲۲۵
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

☆ سلسبیل ☆

قرآنی فکر کا چشمہ رواں' فرقانی بصیرت کی جوئے شیر' مفکر قرآن کے انقلاب انگیز مضامین کا مجموعہ' قرآن کریم کی حیات بخش تعلیم اور علامہ پرویز کا حسین اندازِ بیاں۔

فہرست عنوانات

عبادت
نظریہ ارتقاء اور قرآن
نجات
ثواب
زکوٰۃ
میثاق خداوندی
مملکت کا قرآنی تصور
لاہور کا ایک علمی مذاکرہ
انسان اور خارجی کائنات
اردو میں نماز

قرآن کے باطنی معانی
اسلام کیا ہے؟
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
دین خداوندی کے دشمن
انسان
شرک
ایک نورانی صبح
وہ مرد درویش
لارڈ برٹرنڈرسل سے ایک ملاقات
پروفیسر ٹوئن بی سے چھ سوالات

قیمت (علاوہ ڈاک پیکنگ خرچ) سٹوڈنٹس ایڈیشن =/100
قیمت (علاوہ ڈاک پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن =/200

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

❋❋❋

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ٹر صلاح الدین اکبر

مینارہ نور

میری باتوں میں کچھ بے ربطی نظر آئے یا ربط کی کمی محسوس ہو تو مجھے معاف فرمایئے گا' ربط و ضبط یہ کمی' یہ ہماری قومی زندگی کا ایک دستور بن چکا ہے۔

بہت دنوں کی بات ہے' اس احساس کی چبھن' مجھے اپنے ایک صاحب اختیار دوست کے پاس لے ں۔ (ان دنوں ان تک باریابی کچھ ایسی مشکل نہ تھی) میں ان سے ایک بات کا گلہ کر بیٹھا' میں نے ی سے عرض کیا کہ اب تو یہ حال ہو گیا ہے' قانون سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ بے ضرر سے بے رر قانون' ایسا قانون جس میں اس کی پابندی کرنے والے ہی کی بھلائی ہو' وہ بھی اس قوم کی طبع ک پر گراں گزرتا ہے۔ ٹریفک کی سرخ لائٹ کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا --- یہ گلہ انہیں کچھ برا سوس ہوا' کم از کم اسے انہوں نے خوش طبعی سے گوارا نہیں کیا' جو ان کے جواب سے ظاہر تھا۔ ہوں نے کہا' تو کیا ہر ٹریفک' سگنل پر وزیر اعظم خود جا کے کھڑا ہو جائے۔

قرآن پاک میں ایک جگہ یہودیوں کی نافرمانیوں اور حدود فراموشیوں کا ذکر ہے' وہاں ان کے یک گناہ کا خاص تذکرہ ہے' کہ وہ سبت کے دن **مچھلیاں** پکڑتے تھے اور اس کے لئے بہانے تلاش کرتے تھے۔ تو کیا سبت کے دن **مچھلیاں** پکڑنے کے بہانے تلاش کرنا اور ان بے بنیاد بہانوں کا سہارا لے کر **مچھلیاں** پکڑنا اتنا ہی بڑا جرم تھا' یا ہے' کہ اس کے لئے ایک قوم پر تباہی نازل کر دی جائے۔

آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ بادی النظر میں یہ اتنا بڑا جرم دکھائی نہیں دیتا۔ پھر اب ایسا کیوں ہو رہا ہے ؟ غور فرمانے کا مقام ہے' میں تو یہی سمجھ سکا ہوں کہ اس بات کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کی ذہنیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ معمولی سے معمولی' چھوٹے سے چھوٹے قانون کی پابندی بھی ان کے لئے گران ہو گئی تھی اور وہ بے ضرر سے بے ضرر قانون سے بھی فرار کی راہیں تلاش کرتے تھے' یہ ان کی مجرمانہ ذہنیت کی دلیل تھی۔ جب کوئی قوم حدود فراموشی کی اس حد تک پہنچ جائے تو اس پہ عذاب الٰہی نازل ہو جاتا ہے---

میرے محترم دوست کو اپنی قرآن فہمی پر بڑا ناز ہے' خدا جانے اس طرف ان کی نظر کیوں نہیں گئی۔

کیا ہم حدود فراموشیوں کی اس سطح تک نہیں آ گئے' جہاں پہنچ کر یہود پر خدائی حد نافذ ہو گئی تھی۔

مگر یہ تو غور و فکر کی بات ہے' ہم نے تو مدت ہوئی غور و فکر سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا' جو تند و تیز آندھی آئی' اس کے ساتھ ہو لئے' جو بھی طوفان آیا اس کے ساتھ بہہ کر منزل مراد پا لینے کی

آرزو پالتے رہے' اور جب کنارے پہ پہنچے تو دیکھا کہ یہ موج تو ہمیں کسی اجنبی ساحل پہ ڈال گئی تھی' یہ وہ منزل تو نہیں جس کی آرزو لے کر چلے تھے۔

ماضی قریب ہی کی بات ہے کہ ہم بگولہ بن کر اٹھے' سیلاب بلا بن کر شہروں کی سڑکوں اور گلیوں پہ بہہ نکلے' گروہ در گروہ' انبوہ در انبوہ' جمہوریت کی نیلم پری کی تلاش میں سرگرداں نظر آئے' جوش میں ہم نے حفظ مراتب تو کیا' شائستگی اور سماجی اخلاق کے سب بندھنوں کو توڑ دیا' جو قدر ہمارے سامنے آئی' ہم نے توڑ دی' ہم تو بس ایک جنون میں مبتلا تھے۔ "ڈھا دے جو کجھ ڈھیندا"

"ڈھا دے جو کجھ ڈھیندا اے" کہنے والے نے تو اسی سانس میں کہہ دیا تھا۔ "اک بندے دا دل نہ ڈھاویں" ---۔ مگر ہم نے سب سے پہلے یہی قلعہ سر کیا' انہی قدروں پر وار کیا جن سے انسانیت عبارت ہے۔

اور جب جمہوریت کی سحر طلوع ہوئی اور اس نیلم پری کے چہرے سے نقاب اترا تو ہم دم بخود رہ گئے کہ یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر' چلے تھے۔

معروف جمہوری طریقے سے چنے گئے نمائندوں اور ان کے لیڈروں نے جس انداز سے اپنی ہی خانہ بربادی کا اہتمام کیا' جس طرح سے پوری ملت کی جدوجہد کا منہ چڑایا' وہ میرے آپ کے سامنے ہے اور ہم آج بھی اسی جمہوریت--- مغربی طرز کی جمہوریت کے والا و شیدا ہیں' نقاب الٹ جانے کے بعد بھی اس بت کافر کے سحر میں گرفتار ہیں ۔ ۔

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں   پھر وہی زندگی ہماری ہے

دنیا میں مختلف قوموں نے اپنے ہاں جمہوریت کو مختلف شکلوں میں رائج کر رکھا ہے۔ شائد اس لئے کہ ایک ہی طرز کی جمہوریت سب کو راس نہیں !

اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا واقعی ووٹ کا مروجہ طریقہ عوام کے حقیقی نمائندے چننے کا طریقہ ہے ---۔ اگر ووٹروں کی تعداد 100 فرض کر لی جائے اور فرض کر لیں کہ ایک الیکشن میں 70 ووٹر اپنا یہ حق استعمال کرتے ہیں' 70 میں سے 35 ووٹ ایک امیدوار حاصل کرتا ہے' 20 دوسرا اور 15 تیسرا' تو کیا 35 ووٹ حاصل کرنے والا اکثریت کا نمائندہ ہوا ؟ آپ کی جمہوریت میں یہی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے 100 میں سے صرف 35 ووٹ لئے ہیں۔

اور پھر نمائندگی کی عملی صورت ابھی تک کیا ہے' گاؤں میں بڑے بڑے زمیندار اپنے اثر و رسوخ سے مالک اور خداوند نعمت ہونے کی وجہ سے شہروں میں امیر کبیر اپنی دولت کے سہارے' اپنے تعلقات کے بل پر' سرکاری اہلکاروں کے تعاون سے منتخب ہو جاتے ہیں' کیا یہ لوگ اپنی آبادی کی صحیح نمائندگی کرتے ہیں' فاقہ کشوں کا نمائندہ پیٹ بھرا کیسے ہو سکتا ہے۔ مفلس کا نمائندہ امیر کیسے ہو سکتا ہے۔ محنت کش کا نمائندہ مترف کیسے ہو سکتا ہے ؟

آپ دل پر ہاتھ رکھ کر' سچ کہئے کہ آج کی دنیا میں ہر جگہ الیکشن پیسے کا کھیل نہیں' ووٹروں کو ملنے کے لئے گاؤں گاؤں اور شہر شہر گھومتے پھرنا' ان کی جا و بیجا خوشامد' ان کے جائز و ناجائز مطالبات

رے کرنا --- ووٹ خریدنا --- آپ کہیں گے' یہ ووٹ خریدنے والی بات کچھ فرسودہ سی ہو چکی ہے۔ مگر یہ ووٹروں پر اثر انداز ہونا' ان کے جذبات سے کھیلنا' اشتہار بازی' اور اخباری پروپیگنڈہ اور یا ہے؟ وقت کا اتنا ضیاع اور اتنے ڈھیر سے اخراجات کا متحمل کون ہو سکتا ہے' کیا ایک عام پڑھا لکھا ت کر کے روزی کمانے والا شخص ایسا کر سکتا ہے؟ یقیناً" نہیں' ثبوت کے لئے آپ' جب سے یہاں ں جمہوریت کا رواج ہوا ہے' اسمبلیوں کے ممبروں کی فہرست نکلوا کر دیکھ لیجئے کہ ان میں کتنے محنت ش رہے ہیں' کتنے ایسے تھے جو اپنی محنت کی کمائی کے بل پر عوام کے نمائندگان کے ایوان تک پہنچ ئے۔؟

یہاں میں دو لفظ ایسے استعمال کر گیا ہوں' جنہوں نے مجھے آگے بڑھنے سے روک لیا ہے۔ ایک تو ی محنت کے بل کمائی ہوئی روزی اور دوسرا لفظ ایک قرآنی اصطلاح' مترف' ہے۔

دراصل یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہی تو ہیں' یہ پہلی اصطلاح بھی ایک قرآنی تصور ہی سے خوذ ہے۔ **لیس للانسان الا ماسعی** محنت کی کمائی ہی تو انسان کا حق ہے۔ جائز رزق-- رزق لال اسی کا نام ہے اور جو رزق حلال نہیں کھاتا' جہاں محنت کوئی اور کرتا ہے اور کمائی کسی اور کی یب میں' جو دوسروں کی کمائی اپنے تصرف میں لائے' دوسروں کی محنت کا ماحصل اپنے لئے حلال سمجھے' ی تو مترف ہے۔

ہماری اسمبلیاں' ہمارے ایوان نمائندگان' موجودہ دور کی تمام جمہورتیں مترفوں کی آماجگاہ ہیں۔ جہاں وہ اپنے حقوق' بلکہ اپنی لوٹ کھسوٹ کو جائز قرار دینے کے لئے قوانین وضع کرتے ہیں--- یہ ایوان انہوں نے ایسے قوانین وضع کرنے کے لئے بنا رکھے ہیں جو استحصال کی موجودہ شکل کو دوام بخش سکیں۔

انسانوں کے بنائے ہوئے سارے قوانین' برسراقتدار طبقے کی وہ کوششیں ہیں جن کے سہارے وہ اپنے طبقے کی بقا و دوام (اپنے طبقے یا کسی حد تک پارٹی) کے مفاد کا تحفظ اور دوسروں کے استحصال کو جاری رکھ سکنے کے قانونی جواز مہیا کرتا ہے۔ لیکن ایک ناانصافی کو کچھ لوگ قانونی طور پر جائز قرار دے لیں تو وہ انصاف تو نہیں ہو جائے گا۔

مگر انسان اس سے آگے سوچ ہی کہاں سکتا ہے' انسان کا سب سے بڑا ہتھیار اس کی عقل ہے اور اس کی مشکل یہ ہے کہ یہ اپنی ناک سے آگے کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی' سود خود **بیند**' نہ **بیند** سود غیر' اور پھر عیار ایسی کہ علامہ اقبالؒ کے لفظوں میں' عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے' اس کے چکر سے نکلنا' انسان کے بس کی بات نہیں' اپنا مفاد اسے اتنا بے بس بنا دیتا ہے۔ اپنے ہی جذبات اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں' انصاف اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ جھوٹ' مکر اور فریب اسے خوش نما' اور خوش ادا نظر آتے ہیں۔ اسے یہ ہدایت کہ دیکھنا کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل کی راہ سے نہ ہٹا دے عقل کے بس کی بات ہی نہیں۔ دوستوں پہ عنایت' کمزوروں کی دستگیری' اجنبیوں سے مروت کسی مفاد کے تحت قابل قبول کہلا سکتی ہیں مگر دشمن سے انصاف ! یہ بات تو عقل سے بلند ہی کوئی چیز کہہ

سکتی ہے۔ یہ بات وحی کی رہنمائی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

صدیوں کی پریشان انسانیت کو ایک دانائے راز نے یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا اس نے اپنی آنکھوں سے مغربی سامراج کی چیرہ دستیاں دیکھیں' اس کا بظاہر فریب چکا چوند کر دینے والا جمال دیکھا۔ (خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ) مگر اس کا مال بھی اس کی نظروں میں رہا۔

سرخ سامراج کی چڑھتی ہوئی آندھی جو بظاہر کمزوروں' ناتوانوں' کچلے ہوؤں کے حقوق کو آگے لے جانے کے دعوؤں کے ساتھ اٹھی تھی' اس بگولے کا انجام بھی اس کی دل و وجود کو چیر سکنے والی نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا' اس نے شروع ہی میں دیکھ لیا کہ اس کو اساس محکم میسر نہیں' اپنی راہ سے بھٹکنا اس کا مقدر ہو چکا ہے۔ اس نے اسی وقت کہا تھا۔

اے کہ می خواہی نظام عالمے جستہ ای او را اساس محکمے

اسے معلوم تھا یہ اساس محکم اسے عقل کے ایوانوں سے نہیں مل سکتی' اور وحی اپنی اصل شکل میں مغرب کی تعصب زدہ نظر میں آ نہیں سکتی' اور پھر وہ جو اپنے آپ کو حامل کتاب کہتے ہیں وہ تو دنیا کی قوموں میں کسی شمار قطار ہی میں نہ تھے۔ پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم کی نظر میں یہ وہ صفر ہیں جن کو جمع کرتے جاؤ تو حاصل جمع صفر ہی رہتا ہے۔ ایسی قومیں کسی کی راہنمائی کیا کر سکتی ہیں' اور یہ قومیں یوں بھی مختلف جغرافیائی بندھنوں میں بندھ کر' عراقی' شامی' مصری وغیرہ بن چکے ہیں۔ وہ بھی انہی خداؤں کو پوجتے ہیں' جن کے متعلق اس دانائے راز نے کہا تھا۔۔۔ ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے' جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے۔ یہ خود اس اساس محکم سے محروم لوگوں کا انبوہ ہے' قومیں کہاں ؟

اس برصغیر کے مسلمانوں کے دل میں اس مذہب سے ایک والہانہ لگاؤ' ایک بے پناہ محبت' اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا ایک لازوال جذبہ ..... تھا' اور مغربی سامراج سے آزادی کی صورت میں' اس مغربی جمہوریت میں ان کی آزاد امنگوں کی پامالی بھی اس کی نظر سے اوجھل نہ تھی۔ اس قوم کو اس نے ایک نئی راہ سجھائی' نجات کا ایک رستہ دکھایا' اس کو نیا ولولہ دیا' اسے ایک ایسا خطہ زمین حاصل کرنے کی راہ پر ڈال دیا۔ جہاں مسلمان ہی نہیں اسلام بھی آزاد ہو۔

اسلام کو غلام بنا رکھا تھا ملائیت اور خانقاہیت کی مصلحت کوشیوں نے' شہنشاہوں نے اپنے اقتدار کے لئے اسے ڈھال بنا رکھا تھا اور مسلمان صدیوں سے کشتہ سلطانی ملائی و پیری کا ایک دلدوز نقشہ پیش کرتا تھا' وہ چاہتا تھا کہ اسلام کو عرب ملوکیت کی چھاپ سے بھی اسی طرح آزاد کر دیا جائے جس طرح مجوسی سازشوں کی تخریب کاری' (Subversion) سے اور اس کے لئے اس نے پاکستان کا تصور دیا۔ جس میں پہلے سے کوئی طریق حکومت نہ تھا' کوئی روایت (Tradition) نہ تھی تاکہ یہاں آسانی سے نئی (Tradition) کی طرح ڈالی جائے' ایک ایسا خطہ زمین جہاں کسی انسان کی' انسانوں کے کسی گروہ کی حکومت نہ ہو۔ ان معنوں میں کہ انسانوں کو انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے اپنی مرضی کے قوانین بنانے کا اختیار نہ ہو' جہاں خدا کے دیئے ہوئے قانون کی حکمرانی ہو' جہاں آزادی اور پابندی کی حدود

خدا کی کتاب پاک کرتی ہو۔

اس دانائے راز کے بعد اک مرد خود آگاہ اس بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لایا اور اس قافلے کو کفر آباد ہند سے اک خطہ پاک میں لا اتارا۔

اس ملک میں ہماری وجہ جامعیت' ہمارا ایک آئیڈیالوجی پر ایمان تھا' یہاں کے رہنے والے کو یہ سمجھنا تھا کہ' اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے' اصل مقصد یہ خطہ زمین نہیں' وہ تصور حیات ہے جس کے لئے یہ خطہ حاصل کیا گیا ہے ۔۔۔۔ اور سات سال کی بے مثل جدوجہد کے بعد' دنیا کے نقشے پر پانچویں بڑی ملت اسلامیہ کی برادری میں سب سے بڑی مملکت وجود میں آئی۔ اور تاریخ انسانیت میں پہلی بار ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا گیا' جہاں ایک مشترک ایمان کی بنیاد پر حکومت قائم کرنا مقصود تھا۔

صدیوں بعد یہ ہماری بہت بڑی جیت تھی اور حریفوں کے لئے بہت بڑا چیلنج۔

ہمارا قافلہ آب رود راوی کے کنارے ایسا ستایا کہ وہ اپنے مقصد ہی سے بے خبر ہو گیا۔ لٹے پٹے' بے گھر' بے در لوگوں کو الاٹمنٹوں کے چکر میں ایسا الجھایا گیا' گویا یہی ان کا مقصد تھا کہ مال غنیمت سمجھ کر غیر کے مال پر قبضہ کیا جائے۔۔۔ عوام کو اس لالچ میں الجھا کر ارباب حکومت اقتدار کے چکر میں کھو گئے اور تاجروں' طائع آزماؤں' افسروں' زمینداروں کو کھلی چھٹی مل گئی اور انہوں نے اس آزادی سے خوب فائدہ اٹھایا' وہ تو گویا اس جنگل کے شیر بن گئے اور بیانگ دہل کہا۔

شیروں کو آزادی ہے جس کو چاہیں چیریں پھاڑیں

اور روشنی کی تلاش میں نکلا ہوا یہ قافلہ گھپ اندھیرے جنگلوں میں کھو گیا۔ جہاں ہر طرف ملنگ اور شغال تھے۔ جسے ایک نئی قوم' ایک نئی برادری' ایک نئی قوت بن کر ابھرنا تھا۔ ایک بے نظم بھیڑ' بھیڑوں کا ایک بکھرا ہوا گلہ' اور منتشر لوگوں کا ایک ہجوم ہو گیا جو مفاد خویش کے چکر میں ہیں' جو اندھا دھند زرگری اور زر اندوزی کی دوڑ میں ایک دوسرے کو کچلتے' ایک دوسرے ہی کو نہیں تمام اعلیٰ انسانی اقدار کو روندتے ہوئے خدا جانے کدھر رواں ہیں۔ خوب اور ناخوب کے چکر میں نہیں پڑتے' جس طریق سے کام چلتا ہو جائز ہے۔ گناہ و ثواب' آخرت' حیات بعد الممات کا تصور آہستہ آہستہ ناپید ہو گیا۔ یا پھر خود فریبی کے لئے بے روح عبادات و وظائف۔ پیروں فقیروں کے آستانوں اور مزاروں پر حاضری پر زور دیا جانے لگا اور یوں یہ امت خرافات میں کھو گئی۔

جب کوئی پتھر بلندی سے لڑھکتا ہے تو پاتال کی گہرائیوں تک لڑھکتا ہی چلا جاتا ہے اور جوں جوں یہ تنزل کا فاصلہ طے کرتا ہے' اس کی رفتار بڑھتی ہی چلی جاتی ہے' تفصیل آپ کو بھی ہمارے اس سفر کی معلوم ہے' دہرانا لاحاصل ہے۔ لاحاصل بھی اور تکلیف دہ بھی۔

جب ہم ایمان کے اشتراک سے ایک قوم نہ بن سکے۔ (کیوں کہ ایمان سے ہم بیگانہ تھے) تو ہم قومیتوں میں بٹ گئے اور ایسے بٹے کہ بہت جلد کوتاہ اندیش' خودغرض' لیڈروں کی وجہ سے جوتیوں میں دال بٹنے لگی۔ ساری قوم کے مفاد کو دیکھنے کی بجائے اپنی قومیت کے حقوق پر زور دیا جانے لگا اور وہی خطوط جن کو ہم نے ہجرت کے وقت بے وقعت بنا دیا تھا' ہمارے پاؤں کی زنجیر بن گئے۔ پاؤں ہی کی

نہیں' ہمارے دماغ ان میں الجھ گئے۔ ہمارے دل ان میں اٹک کر رہ گئے' ہم مصطفوی نہ بن سکے' رب المشرقین و رب المغربین کا ورد کرنے والے پہلے تو مشرقی اور مغربی پاکستانی بنے اور پھر بنگالی اور غیر بنگالی' غیر بنگالی جنہیں نفرت سے مشرقی حصے میں پہلے بہاری' اور پھر گالی کے طور پر پنجابی کہا جانے لگا۔

دشمن تاک میں تھا' ہماری کوتاہیوں کا اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ وہ جانتا تھا کہ ہم نے ان اینٹوں کو یونہی چن دیا ہے۔ ایک دوسرے کے اوپر بغیر اخوت و محبت کا سیمنٹ لگائے رکھ دیا ہے' اس نے کمال ہوشیاری سے ان کی سیدھ میں فرق ڈالنے کی کوشش شروع کر دی اور آہستہ آہستہ کل کے ساتھی' کل کے بھائی' ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے' ہجرت کی جن اصطلاحوں کو ہم نے اس دور میں اپنایا تھا' اسے اگر ذرا آگے بڑھایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کے انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے خون سے' جنہیں کل انہوں نے پناہ دی تھی' خوب ہاتھ رنگے' جنہیں ابھی کل انہوں نے گلے لگایا تھا۔ آج ان کے گلے بے دریغ کاٹے اور اس پر فخر کیا۔

میں نے ابھی کہا تھا' قیام پاکستان' صدیوں کے بعد ہماری بہت بڑی جیت تھی' جہاں یہ ہماری بہت بڑی جیت تھی' ..... وہاں حریفوں کے لئے بہت بڑا چیلنج بھی تھا' دشمنوں نے یہ چیلنج قبول کر لیا تھا' وہ ہمیں مات دینے کے لئے اپنی چالیں چلتا رہا اور ہم اپنی ہرجال بھول گئے اور مفاد خویش کے چکر میں گھومنے لگ گئے' کولہو کا بیل کتنا ہی گھوم لے' تھک تو سکتا ہے' مگر کہیں پہنچ نہیں پاتا۔۔۔ اور قیام پاکستان کے سال بعد ہی ہم اپنی تاریخ کے غالباً" سب سے بڑے المیے سے دوچار ہو گئے۔

اس کے بعد بھی نہ سنبھل پائے' ہم نے اپنی بنیادی کمزوری پر غور نہ کیا۔ ہم نے اپنے نیڈیل کو یہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی کوشش نہ کی۔ اس حصے میں بھی جہاں جغرافیائی بعد بھی نہیں' جسے ہم ایک وحدت کی شکل میں بھی دیکھ چکے ہیں۔ ہم لخت لخت ہو رہے ہیں۔ سندھ سے ایک سید اٹھا جس نے کفر سے اپنے رشتے کو مقدس بنا دیا۔ سرحد سے ولی اٹھا' جس کا قبلہ ، کعبہ ہی کہیں اور تھا' اور بلوچستان کے سرداروں میں سے ہر ایک نے اپنے علاقے میں **انا ربکم الا علی** کا اعلان کر دیا۔

یہاں چار قومیتوں کا پرچار کیا جانے لگا' کہیں سندھو دیش کا نعرہ لگا' کہیں پختونستان کا شوشہ چھوڑا گیا۔ کہیں عظیم تر بلوچستان کا سراب دکھایا گیا۔۔۔ اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھ ۔۔۔ لے دے کے ایک پنجاب رہ گیا تھا' جہاں سے پاکستان کی آواز اٹھتی تھی' جہاں دل پاکستان کے لئے دھڑکتے تھے۔ جہاں کے مسلمان نے مسلمانان عالم کے لئے تڑپ ورثے میں پائی تھی۔ سمرنا میں ظلم ہوا تو یہاں عورتیں' گلیوں میں بین کرتی ہوئی سنی گئیں۔ فلسطینیوں پہ عرصہ حیات تنگ ہوا تو پنجاب کے مسلمانوں نے اپنا سانس سینے میں رکتا ہوا محسوس کیا۔ یہ سرزمین جس نے اقبالؒ اور ظفر علی سے (Inspiration) لی تھی' اس میں بھی اقتدار سے محروم لوگوں نے' وہ سیاست کے کاریگر ہوں یا خود ساختہ دانشور' ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا ہے ۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

کہیں پنجاب کے حقوق کی دہائی دی جا رہی ہے' کہیں پنجاب کے حصے کی' کہیں پنجاب کے کلچر کی نوجوانوں

کو ظفر علی کی اسلامی سوچ' اقبالؒ کی آفاقیت سے ہٹا کر صوفی شاعروں کی گود میں ڈالا جا رہا ہے۔

اپنے اقتدار کی خاطر جو آگے بھڑکائی جا رہی ہے اس کے لو دیتے شعلے دور سے نظر آتے ہیں تو پاکستان سے محبت کرنے والے دل کانپ اٹھتے ہیں' جس روشنی کی نوید دی جا رہی ہے وہ انہیں شعلوں کی چمک تو نہیں ۔

دل دھڑکتا ہے' قدم رکتے ہیں گلشن کے قریب آج یہ کیسا اجالا ہے نشیمن کے قریب

نعروں پر پلی ہوئی قوم کو ایک نعرہ لگا کر پھسلایا جا رہا ہے اور سیماب صفت قوم ہر نئے نعرے کے پیچھے لپک پڑتی ہے' لوگ خود بدعنوانیوں کو فروغ دینے کا موجب ہوتے ہیں' خود اس بدعنوان معاشرے کا فعال حصہ ہیں۔ مگر جب کوئی کسی بدعنوانی کے خلاف نعرہ لگاتا ہے تو بغیر دیکھے کہ ایسا کون کر رہا ہے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ شاید یہ ان کے ضمیر کی ملامت ہوتی ہے اور اپنے داغ دھونے کے لئے ہر اس آواز پر لبیک' کہہ اٹھتے ہیں' جو اس معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کا دعویٰ لے کر آتی ہے اور اب قوم'

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ

کی تصویر بن گئی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ قوم کی ذہنی تربیت کا کسی نے کوئی اہتمام نہیں کیا' قوم کا ہر خادم ووٹ کے وقت قوم کے پاس آیا' تو نعرہ لگاتا گیا' اور وعدے پر وعدہ کرتا چلا گیا' نہ اپنے وسائل کا خیال رکھا' نہ اپنے قواء کا' نہ اپنے ساتھیوں کے ایمان کا' سفید باغ' سبز باغ' کالے باغ بھی یکجا کر دیئے گئے۔ کچھ دیر تو پراپیگنڈے کے بل پر کام چلا مگر حقیقتیں آخر حقیقتیں ہوتی ہیں' وہ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے لئے سامنے آن کھڑی ہوتی ہیں۔

غریبوں کے نمائندے جب اقتدار میں آئے تو اپنا آپ بھول بیٹھے' سقوط ڈھاکہ کے وقت قوم ایک عجیب کرب میں مبتلا تھی' اس میں رنج و غم بھی تھا' غصہ اور انتقام کا جذبہ بھی' اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا احساس بھی' اپنی کم مائیگی پر شرمندگی بھی۔

نئی قیادت سامنے تھی' قوم کی ذہنی تربیت کا' مرحوم صدر ایوب کے ابتدائی دور کے بعد یہ بہترین وقت تھا۔ اسے سمجھایا جاتا' اسے صاف لفظوں میں بتایا جاتا۔ ایسا کیوں ہوا' کون کون سی غفلت' کون کون سی کوتاہی اس کا باعث بنی۔ اس لئے نہیں کہ شکست خوردہ قوم کے انتقام کی آگے کچھ لوگوں یا کچھ اداروں یا کچھ پارٹیوں کی طرف پھیر کر بات ختم کر دی جائے۔ (اندھا غصہ' اندھا انتقام تو خون بہا کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ دشمن اس سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا خلفشار قوم کو مزید تقسیم کر دیتا ہے بلکہ اس لئے کہ قوم کو غلطیوں کی نشاندہی کر کے اسے ایک تعمیری راہ پر لگا دیا جائے تاکہ یہ غلطیاں دہرائی نہ جائیں' جو ہماری ذلت و رسوائی کا باعث ہوئیں ۔۔۔ مگر اس کے لئے قربانی اور ایثار کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے' سادگی اور سچائی کو اپنے ہتھیار بنانا پڑتا ہے۔ مگر یہاں تو ان

لوگوں کے رویے سے محسوس ہوا کہ کل میکدے کے موڑ پر رکتی ہوئی' مدتوں کی تشنگی تھی' میں نہ تھا والا معاملہ ہے' یہ قربانی و ایثار پیشگی کے دعوے' عصمت بی بی از بیچارگی تھی۔ موقعہ ملا تو ان لوگوں نے بھی خوب پر پرزے نکالے' ان عوامیوں کے کچے چٹھے اب آپس کی سر پھٹول کی وجہ سے منظر عام پر آرہے ہیں مگر اتنا تو شروع ہی میں پتہ چل گیا تھا کہ یہ وزیر بھی پہلے وزیروں سے کچھ مختلف نہ تھے۔

ملک آدھا ہو چکا تھا' اس بچے کھچے حصے میں بھی دشمن کی فوجیں ہمارے علاقوں پر قابض تھیں۔ ان علاقوں سے بھاگ کر آئے ہوئے لوگ بے گھر' بے در پڑے تھے۔ وزیروں کی کوٹھیوں میں نئی Furnisning ہو رہی تھی' ان کے لئے نئی گاڑیوں کا بندوبست ہو رہا تھا.... کیا ان سے پہلے جو وزیر گئے تھے وہ فرنیچر اور دوسرا سامان ساتھ لے گئے تھے' اگر لے گئے تھے تو کیا ایوب خانی وزیروں کا سامان ان عوامی وزیروں کے شایان شان نہ تھا' یہی نہیں وہ جنہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم حجروں میں بیٹھ کر کام کریں گے۔ ایرکنڈیشنڈ مرسیڈیز کے بغیر سفر کرنا ہتک سمجھنے لگے اور خلق خدا تھی کہ فرہاد کناں تھی ۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل، بندے کدھر جائیں !
کہ درویشی بھی عیاری ہے' سلطانی بھی عیاری

حالات کو بہتر بنانے کے دعویٰ کرنے والوں کے دور میں ہر بدعنوانی زیادتی کی طرف سفر کرتی رہی۔ رشوت' سفارشیں بڑھ گئیں۔ ذخیرہ اندوزی' سمگلنگ' بلیک اسی طرح رہی ۔۔۔ ملک میں چینی کا توڑا نظر آیا تو کروڑوں کی چینی درآمد کر لی گئی۔ ۔۔ بعد میں ایک ذی اثر نے اپنے ایک انٹرویو میں پبلک پر یہ طنز بھی کی یہ کیسی محب وطن پبلک ہے جو ایک چھٹانک چینی کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتی۔

نازک مزاج شاہاں تاب سخن نہ دارند' ورنہ یہ غریب شہری انٹرویو پڑھ کر سوچ رہا تھا کہ اسی رسالے کو کہے کہ عوام میں سے بھی کسی کا انٹرویو لیا ہوتا ۔۔۔ کسی صاحب اقتدار نے ایک دن نہیں' ایک وقت پھیکی چائے پی کر لوگوں سے اپیل کی ہے کہ لوگو' آؤ ہم آپ سب کچھ عرصہ بغیر چینی کے یا جتنی چینی ہمیں میسر ہو سکتی ہے' کے ساتھ گزارا کریں۔ نہ کسی سرکاری دعوت میں میٹھی چیزیں ہوں گی' نہ کسی وزیر' امیر کبیر' صاحب اقتدار کے گھر راشن کی مقرر کردہ چینی سے زیادہ چینی جائے گی۔ پہلے خود ایک راستے پر چل کر دوسروں سے اس پر چلنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ خود سادگی اختیار کر کے دوسروں سے اس پر چلنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مگر یہاں تو وزارت سے پہلے کے کھدر پوش بھی شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے لباسوں میں ملبوس نظر آنے لگے۔ وہی دعوتیں' وہی پارٹیاں' وہی رسوم افتتاح' فیتے کاٹنے' سنگ بنیاد رکھنے کی رسمیں' وہی انٹرکانٹی میں کئی کئی دنوں کے سیمینار ۔۔۔ مجھے تو یہ سیمینار اور سمٹ میٹار۔۔ قوم عاد کی ان نمائشی عمارتوں کی نئی شکلیں محسوس ہوتی ہیں' جن کی افادیت کچھ نہیں ہوتی' محض دکھاوا ہوتا ہے۔

وقت گزرتا جا رہا ہے' وقت کسی کا بھی دوست نہیں' یہ کسی کے لئے بھی نہیں رکتا اور ہر عمل اپنا

نتیجہ پیدا کر کے رہتا ہے' ہم مہلت کے وقفے میں سے گزر رہے ہیں' مہلت کا وقفہ گزر جائے تو آئی کو کوئی نہیں ٹال سکتا' اس وقت گریہ زاری' منت گزاری' اصلاح احوال کے ارادے اور یقین دہانیاں سب بیکار ہوتی ہیں' پھر وقت کے طوفان کے دھارے میں سب کے سب زیر آب آجاتے ہیں' وقت کا روڈ رولر سب بلند و پست کو ایک کر دیتا ہے اور اس کے بعد کل کی' بظاہر زندہ اور متحرک قومیں قرآن پاک کے لفظوں میں یوں ہو جاتی ہیں' جیسے بجھا ہوا شعلہ' جیسے کٹا ہوا کھیت!

آج بھی کرنے کا کام وہی ہے جو آج سے 50 سال پہلے تھا' اس قوم کو یہ سمجھا دیا جائے' اس بات کا اسے پختہ یقین دلا دیا جائے کہ وہ ایک مشترک آئیڈیل پر ایمان کی بنا پر ایک قوم ہے' ایسا آئیڈیل جو رنگ' نسل وغیرہ کے امتیازات سے بلند تر ہے' جس پر ایمان کا تقاضا ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جہاں ہر شخص یکساں واجب التکریم ہو' ہر شخص محنت کرے' جس معاشرے میں کوئی بھوکا ننگا نہ ہو گا۔ بے گھر' بے در بے ٹھکانہ نہ ہو' کوئی بے آسرا نہ ہو' کوئی ..... اجنبی' بے سہارا اور تنہا نہ ہو' جہاں کسی کے ذہن پر کسی قسم کا خوف' کسی کے دل میں کوئی حزن نہ ہو ---- ایسا معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد کا عزم ان کی وجہ جامعیت ہے۔ یہ ان کے ایمان تقاضا ہے کہ قرآن پاک کے دیئے ہوئے تصور **الارض للہ** اور **قل العفو** پر مبنی معاشی انقلاب برپا کیا جائے' اس کے بغیر ان کا ایمان ناقص ہو گا۔

قوم کو بے کار مباحث سے دور رکھنے کے لئے عمل کی راہ پر ڈالنا ہو گا۔

ایک بار پھر اسے ایک آئیڈیل دینا ہو گا' ایک منزل کرنا ہو گی جو اس کے عمل کی سمت متعین کرے اور وہ آئیڈیل ہے پاکستان کی تکمیل' یعنی جس مقصد کی خاطر یہ خطہ زمین لیا گیا تھا۔ اس نظام کو یہاں متشکل کر کے دکھایا جائے اور اس کی جغرافیائی تکمیل کو بھی ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے اس کے لئے قوم کو سخت قسم کے ڈسپلن کا خوگر کر کے لوگوں کی خفتہ صلاحیتوں کو ابھارا جا سکتا ہے۔

یہ مٹی بہت زرخیز ہے' قوم صلاحیتوں سے بھری پڑی ہے اور زمین خزائن قدرت سے' ان کو بروئے کار لانا ہی تعمیر کی ضمانت ہے۔

قوم کو یہ سمجھانا ہو گا کہ یہ بڑی جان جوکھوں کا کام ہے' اس کے لئے بہت سی سہولتوں کو تیاگنا' بہت سی مراعات سے محرومی اور بہت سی مشکلات کو اپنانا ہو گا' یہ مصنوعی معیار زیست Standard of Living جسے قائم رکھنے کے لئے باہر سے امداد کی بھیک مانگنا پڑتی ہے' اور اس کے ساتھ ہی ان دان کرنے والوں کے دباؤ اور اثرات کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے' کو چھوڑ کر سادگی اور محنت کو شعار بنانا ہو گا' تعیش کی چیزیں تو ایک طرف' عام استعمال کی چیزوں کی فراوانی سے بھی منہ موڑ کر کچھ دیر محض ضروریات پر اکتفا کرنا ہو گا' اگر چند سال بھی اس پر عمل کیا جائے تو نہ یہ افراط زر رہے گی' نہ چیزوں کی ریل پیل اور فراوانی میں محرومی کا احساس رہے گا۔ مشرق میں ایک ملک نے قربانی اور ایثار کا اجتماعی راستہ اختیار کیا ہے اور دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ نہ اسے سامراجیوں سے بھیک مانگنا پڑی ہے' نہ

اس کے اثرات قبول کرنے پڑے ہیں' نہ وہاں افراط زر ہے' نہ بلیک' نہ سمگلنگ ۔ خود موٹا بھوٹا پالتا
ہیں اور ریشم ایکسپورٹ کرتے ہیں' یہ چھوٹے اور بڑے ملک کا بھی سوال نہیں' جذبے اور لگن کی بات
ہے۔ چھوٹی قوم بھی ان خصوصیات کو اپنا لے تو ناقابل تسخیر بن جاتی ہے اور آج کی دنیا میں تو کوئی قوم
دوسری کو تسخیر نہیں کر سکتی جب تک کہ خود اس قوم کے اندر قومی وحدت میں دراڑیں نہ پڑ چکی
ہوں۔ اقتصادی' سماجی' عدم مساوات کی وجہ سے اختلاف نہ ہو چکے ہوں۔

ہم کل بھی یہ رستہ اپنا سکتے تھے' آج بھی ہمارے لئے یہی پنپ سکنے کا راستہ ہے۔ ہر شخص اپنی
پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کام میں مصروف اور محض ضروریات پر اکتفا کرے' باقی سب کچھ خدا
کے نظام کی سربلندی کے لئے وقف کر دے' سمجھ لے کہ آئندہ نسلوں کو قوموں کی برادری میں باعزت
مقام دلانے کے لئے اس وقت عیاشیوں بلکہ سہولتوں سے رضاکارانہ اجتناب وہ قیمت ہے جو ہمیں دینا
ہے۔ نہ ہمارے کاریگر کسی سے کم ہیں' نہ مزدور' نہ طالب علم' نہ کسان' مترفوں کو درمیان سے ہٹانا ہو
گا۔

لیکن یہ سب کہتے کہتے مجھے خیال آیا ہے کہ میں بھی تو خالی باتیں کر رہا ہوں' ایسا ہونا چاہیے۔
ایسے ہو تو یوں ہو جائے گا' حالات تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں' ان کو بہرحال کسی طرح موڑنا ہو گا۔ ہم
مانیں نہ مانیں' لاکھ اچھے برے ہیں' مگر ابھی مروج جمہوری طریقوں سے مفر نہیں۔ انہی میں بہتری کی
صورت کیسے پیدا ہو۔

آج جو چیزیں پبلک Opinion' رائے عامہ پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کا جائزہ لینا ضروری ہے۔
ہم اب تک ہنگامہ خیز سیاست کے چکر میں گرفتار ہیں' حالات سے مایوسی ہوتی ہے تو کوئی ہوشیار طالع
آزما جس کے گھر دانے اور تجوریوں میں مال ہوتا ہے' آتا ہے۔ لوگوں سے وعدے کرتا ہے' سبز باغ
دکھاتا ہے' اکثر انہی کا ساتھی ہوتا ہے جو ان مایوس کن حالات کو پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ کھڑا
ہو کے نعرہ لگاتا ہے کہ یہ لوگ ناکام ہو گئے ہیں (ہم لوگ کبھی نہیں کہتا) میں تمہیں حالات بدل کر
دکھاؤں گا' جو کچھ ان لوگوں نے کرنے کا وعدہ کیا تھا اور نہیں کر سکے وہ میں کروں گا۔ اس نے تمہیں
دھوکا دیا' میں امید کا شہزادہ بن کر آیا ہوں' میرے جلو میں چلو' میں منزل مراد تک پہنچاؤں گا' اور قوم
اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ بہتری کی تمنا اس کے دل بے تاب کو ایک نیا دھوکا کھانے' ایک نئے صحرا
میں سراب دیکھنے کے لئے چھوڑ جاتی ہے۔

اگر آپ اس پر ذرا غور کریں تو نظر آجائے گا کہ اس نئے آنے والے نے کوئی نئی بات نہیں کی'
کوئی نیا وعدہ بھی نہیں کیا' وہ تو گویا تصدیق کرتا ہے کہ وعدے میرے پیشرو نے بھی انہی باتوں کے کئے
تھے' اس نے پورے نہیں کئے' میں پورے کروں گا' 50 سال سے یہی ہو رہا ہے۔

مشکل یہ رہی ہے کہ ہم نے ہر بار یہ تو دیکھا کہ کیا کہا جا رہا ہے' مگر یہ نہ دیکھا کہ کہہ کون رہا
ہے۔ دھوکا کھانے کی بڑی وجہ ہی یہ رہی ہے کہ ہم نے محض یہ کافی سمجھا کہ بات کیا کہی جا رہی ہے۔

دو قومی نظریہ' قومی یک جہتی' ترقی خوشحالی' فراوانی۔۔۔ سب ٹھیک' مگر کس منہ سے .....؟

قرآن پاک سے بڑی صداقت اس کائنات میں اور کیا ہو سکتی ہے' اس نے خود اپنے مخالفین کو چیلنج دیا کہ اس جیسی ایک سورت تو بنا کر لاؤ' تم یقیناً" نہیں لا سکتے' جب اسے لانے والے سے کہا گیا کہ ہم کیسے مان لیں' یہ آپ سچ کہتے ہیں۔۔۔ تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم بات پر غور کرو' چیلنج قبول کرو۔ آپ نے وحی کی زبان میں فرمایا۔ **فقد بثت فی کم عمرا" من قبله افلا تعقلون** میں نے اپنی زندگی تم لوگوں کے درمیان گزاری ہے' میری اس سے قبل کی زندگی پر غور کرو۔ (ایسی زندگی کسی سچے کی ہوتی ہے یا جھوٹے کی)

اے سنت رسولؐ کے ماننے والو! غور کرو' آپ نے نہیں فرمایا کہ تم بات پر غور کرو' اسے پرکھو' دیکھو' عمل میں لاؤ اس کی سچائی کے لئے اپنی اس سے پیشتر کی زندگی کو گواہ بنایا۔

جس وقت کوئی کسی قسم کا بھی دعویٰ لے کر میدان میں آجاتا ہے اس وقت تو وہ اپنی خامیاں چھپا لیتا ہے' اپنی کمزوریوں کو لوگوں کی نگاہیوں تک آنے ہی نہیں دیتا۔ یہ لوگ جو ووٹ لینے کے لئے آپ کے پاس آتے ہیں بڑے پارسا' بڑے نیک' بڑے اصول پرست بن کر آتے ہیں' بلند بانگ دعاوی کرتے ہیں' باتیں جی لگتی کرتے ہیں' مگر کہتا ان میں سے ہر ایک یہی ہے کہ میری بات پر یقین کرو' ایک بار مجھے ایوان اقتدار میں پہنچا دو' میں دودھ اور شہد کی نہریں بہا دوں گا۔ ہم اس کی چرب زبانی کا دھوکا کھا جاتے ہیں۔۔ مگر اسوہ رسولؐ ہمیں کیا سبق دیتا ہے۔ اس کی زندگی کو دیکھو' آج سے پہلے کی زندگی **عمرامن قبله** آج حصول اقتدار کی خاطر جو نقاب وہ اوڑھ کر آیا ہے اسے اس کے چہرے سے اتار دو اور اس کے ماضی کو اپنے سامنے رکھو' دیکھو کہ یہ شخص سیرت و کردار کی پختگی کے لحاظ سے کس مقام پر ہے۔ آج تک اس نے کیریکٹر کی بلندی کا کیا کیا ثبوت دیا ہے' کن کن نامساعد حالات میں اس کا قدم نہیں لڑکھڑایا' اس نے کسی سے کوئی لین دین کیا تو اس میں پورا اترا' کسی سے کوئی وعدہ کیا تو اسے نبھایا' کسی نے کوئی امانت اس کے سپرد کی تو اس نے اس میں خیانت تو نہیں کی' کسی نے اسے کوئی راز دیا تو وہ اس کا امین بن سکا!

میرے ساتھیو! ووٹ بھی تو ایک امانت ہی ہے' اس امانت کے متعلق پچھلے الیکشنوں میں مجھے تو بڑا تلخ تجربہ ہوا۔ دونوں حلقوں میں' ایک جہاں میں رہتا ہوں' دوسرے جہاں میں کام کرتا ہوں۔ ایک جگہ جنہیں ووٹ دیا ان میں سے ایک پارٹی چھوڑ کر' بہت جلد دوسروں سے جا ملا' دوسرے کو پارٹی نے نکال دیا۔ اور دوسری جگہ جن لوگوں کے شانہ بشانہ میں نے کام کیا وہاں بھی ووٹروں سے پوچھے بنا ان لوگوں نے استعفے دے دیا' یہ عجیب جمہوریت ہے' ایک بار ووٹ لینے کے بعد کھلی چھٹی' بعد میں ووٹروں سے پوچھنا کیا ضروری نہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے ہماری امانتوں میں خیانت کی ہے' اور خائن کے سپرد کوئی ذمہ داری نہیں کی جا سکتی۔

سو جہاں جہاں بھی آپ ہیں' جس جس پارٹی سے بھی آپ کی ہمدردی ہے' جس جس معتمد سے بھی

آپ کا واسطہ پڑتا ہے' سب پر یہ واضح کر دیجئے کہ ہم بہت دھوکا کھا چکے۔ اب ہم محض بات نہیں دیکھیں گے' یہ بھی دیکھیں گے کہ کون بات کہہ رہا ہے' اور وہ کس سیرت و کردار کا مالک ہے' ہم دیکھیں گے کہ وہ کس حد تک اپنی بات پر قائم رہ سکتا ہے اور اس کے لئے ہم اس کا ماضی اپنے سامنے رکھیں گے کہ یہی سنت رسولؐ ہے' یہ اسوہ رسولؐ ہے' ہم منکر سنت نہیں' نہ اس کی تکذیب کرنے والوں میں ہیں' اس لئے سوچ سمجھ کر پارٹی کا امیدوار چننا۔

مجھے یقین ہے' اور یہ ساری باتیں' میں اسی یقین پر کر رہا ہوں کہ اب بھی ملک میں شریف آدمیوں کی اکثریت ہے۔ اگر سارے ملک کے شریف آدمی یہ عزم کر لیں کہ آئندہ الیکشنوں میں ہم صاحب کردار لوگوں کو نمائندہ چنیں گے' یہ ان کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ امیدوار کے ماضی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں تو یہ درست سمت میں پہلا قدم ہو گا۔

اگر ایسے نمائندے ایوان میں بیٹھ کر کوئی غلط بات کریں گے' کوئی غلط فیصلہ کریں گے تو ہمیں ان کی نیت پر تو شک نہیں ہو سکے گا اور پھر جب یہ بات آئین میں شامل ہے کہ یہاں کوئی قانون' قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو گا تو صرف ایک ایسا باختیار ادارہ قائم کرنا باقی ہے جو اس بات کے فیصلے کا مجاز ہو کہ اس بارے میں حتمی فیصلہ کر سکے۔ اس ادارے تک ہر شہری کی رسائی ہو۔ جس قانون پر اسے شک ہو وہ اسے ادارے تک فیصلے کے لئے لے جائے اور یوں آہستہ آہستہ یہاں اسلام کا عادلانہ معاشی اور معاشرتی نظام نافذ ہو کر رہے گا۔ وہی نظام ---- جہاں' میں ایک بار پھر دہرا دوں۔ نہ کوئی بھوکا ہو گا' نہ ننگا' کوئی بے ٹھکانہ و بے آسرا نہ ہو گا۔ تنہا اور اجنبی نہ ہو گا۔ جہاں کے رہنے والے کو نہ خوف ہو گا نہ حزن۔ جہاں ہر شخص کی صلاحیتیں ہر قسم کی رکاوٹوں سے آزاد ہو کر' ابھر اور نکھر کر نشو و نما پا سکیں گی۔

اور یوں اس خطے میں 14 سو سال بعد ایک مثالی مملکت وجود میں آجائے' اور یہ خطہ زمین ایک ایسا مینارہ نور ہو گا جسے دیکھ کر قومیں اپنی راہ متعین کریں گی۔ سمٹ مینار کی جگہ اس مینارہ نور کی تعمیر کس قدر روح پرور' جاں فزا اور تاریخ ساز نظارہ ہو گا۔

* * *

YET ANOTHER GRIEF OF THE YEAR

Full of sad news for the readers of Tolu-e-Islam, the year 1997 has encapsulated yet another death. Fitima a renowned philanthropist and wife of Mr. A.S.K.Joomal, our colleague in spreading Quranic teachings in South Africa, passed away after brief illness. May Allah bless her with an abode of peace and plenty.

EDITOR

التماس

○ ☆ ○ ☆ ○

اگلے شمارے کی ترسیل کے ساتھ

1997ء کے لئے آپ کے زرِ شرکت ختم ہو جائے گا

1998ء

کے لئے مبلغ 170 ۔ روپے بذریعہ چیک' بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر'
نومبر 1997ء ہی میں ارسال فرما دیجئے

تاکہ

ترسیل رسالہ منقطع نہ ہونے پائے

پرچہ بذریعہ وی ۔ پی آپ کے کہنے پر ہی بھجوایا جائے گا۔

☆ یہی التماس ☆

ان حضرات کے لئے بھی ہے' جنہیں پرچہ بطور تحفہ یا اعزازی
طور پر بھجوایا جاتا رہا ہے۔

○

قرآنی تعلیمات کو پھیلانے میں بھرپور حصہ لیجئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ

پاکستان اور اسلامی نظام

ہم میں سے ہر کوئی جانتا ہے کہ پاکستان کا خطہ زمین اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ لیکن ہماری بد نصیبی کی انتہا یہ ہوئی کہ اس قسم کے نظام کا قیام تو درکنار ابھی تک یہ بھی طے نہیں پایا کہ وہ نظام ہوتا کیا ہے۔ اسلامی نظام کے سمجھنے کے لئے ضروری ہو گا کہ ہم متعین طور پر سمجھیں اسلام کیا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو اسلامی نظام۔ اسلامی مملکت۔ اسلامی قوانین' اسلامی شریعت' غرض یہ کہ اسلام کے متعلق سب کچھ با آسانی سمجھ میں آجائے گا۔ کسی لمبے چوڑے بحث و مباحثہ میں پڑنے سے پہلے اگر اس سوال کا جواب ہم براہ راست اللہ تعالیٰ سے پوچھیں تو جواب ملے گا کہ " جو لوگ اپنے معاملات کے فیصلے **بما انزل اللہ** (قرآن مجید) کی رو سے نہیں کرتے انہیں مومن نہیں کہا جا سکتا " 5/44 ۔ لہٰذا مسلم وہ ہیں جو اپنے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرتے ہیں اور اسلام نام ہے کاروبار حیات کو قرآن مجید کے مطابق سرانجام دینے کا۔ علامہ اقبالؒ نے اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے کہ " نفس اسلام قرآن مجید میں بکمال و تمام آچکا ہے۔ خدا تعالیٰ کا منشا دریافت کرنے کے لئے ہمیں قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں (اقبال اور قرآن صفحہ 297)۔ مطلب یہ کہ اپنے انفرادی یا اجتماعی مسائل جنہیں ہم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اصول و احکام کے تحت حل کرنا چاہتے ہیں کے لئے ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے اور اس سلسلہ میں قرآن کے ساتھ کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔

ہمارا پریس بھی اپنے قومی مسائل کے حل کا ذریعہ صرف کتاب اللہ کو ہی سمجھتا ہے مثال کے طور پر " جمہوریت کے تاریک مستقبل " کے عنوان سے روزنامہ " جنگ " اپنے ایک اداریے (12-9-90) میں لکھتا ہے " آج قوم کو جن سنگین حالات کا سامنا ہے ان سے نکلنے کا واحد راستہ اس سیاسی نظام کی تبدیلی ہے جو 43 سال سے قوم پر مسلط چلا آ رہا ہے۔ چہرے بدلنے سے قوم کی تقدیر نہیں بدل سکتی۔ ایک ایسا سیاسی اور اقتصادی نظام جو معاشی ناہمواریوں اور سیاسی اجارہ داریوں کو ختم کر سکے ہمارے دکھوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔ یہ نظام ہمیں صرف اس ضابطہ حیات سے مل سکتا ہے۔ جو آخری الہامی کتاب کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے"

قرآنی اور عوامی نقطہ نظر سے ہمارا الیکٹرانک میڈیا کیا کہتا ہے۔ جناب سلیم طاہر پی ٹی وی پر "میں اور آپ " کے نام سے ایک پروگرام نشر کیا کرتے تھے۔ مورخہ 18-9-90 کو جب انہوں نے جمہوریت کے موضوع پر قوم کے دو ہونہار نوجوانوں کو اظہار خیال کا موقع دیا تو انہوں نے خود اپنے

لفاظ میں یہ جواب دیا کہ " موجودہ طریقہ سے کبھی جمہوریت نہیں آسکتی۔ ہمارے پاس ایک مکمل ضابطہ
یات (قرآن کریم) موجود ہے۔ آج نافذ کر دیں۔ آج جمہوریت آجائے گی۔ اس میں قانون وراثت
ہے۔ عائلی قوانین ہیں۔ مالی اور اقتصادی نظام ہے اور پھر پاکستان ہم نے یہ عہد کر کے حاصل کیا تھا کہ
اس میں قرآن نافذ کریں گے۔ "

یہ تو تھا زبان خلق کا اظہار۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے اقبالؒ اور جناحؒ اس باب میں کیا سوچ
رکھتے تھے۔ علامہ اقبالؒ کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کو اس فراموش کردہ
حقیقت کی یاد دلائی کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ اور دین کے معنی ہیں ایسی آزاد مملکت جو قوانین
خداوندی (قرآن) کی تنفیذ کے تحت وجود میں لائی جائے۔ انہوں نے پاکستان کا تصور اور مطالعہ اسی
مقصد کے لئے پیش کیا تھا۔ کتاب اللہ سے ان کے عشق کا یہ حال تھا کہ کلام و پیام اقبالؒ کا مرکز بھی
قرآن ہے اور محور بھی قرآن۔ ان کا یہ شعر اسی جذبے کی عکاسی کرتا ہے۔

نیست ممکن جز بقرآں زیستن
گر می خواہی مسلمان زیستن

ایک دفعہ قرآن کی قانونی حیثیت کے متعلق بات کرتے ہوئے فرمایا " سب سے پہلے ہمیں اس
حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ قرن اول سے لے کر عباسیوں کے زمانے کے آغاز تک مسلمانوں میں
قرآن کے سوا کوئی تحریری قانون موجود نہیں تھا۔ " (اقبال اور قرآن صفحہ 108)

اسلامی دنیا میں قوانین شریعت میں ارتقاء کی گنجائش کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ
" اس سوال کا جواب یقیناً" اثبات (ہاں) میں ہونا چاہئے بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو
لے کر آگے بڑھے۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حریت پسند قلب ہے۔ وہ جسے رسولؐ
اللہ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ **حسبنا کتاب اللہ** (ایضاً" صفحہ
154)

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کو ایک خط میں اپنے قرآنی نقطہ نگاہ کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں " میرا
عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے جو رس پروڈنس' یعنی اصول فقہ پر
ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہو گا اور بنی نوع
انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہو گا " (ایضاً" صفحہ 112)

ایک طرف علامہ صاحبؒ تصور پاکستان کو ان عزائم کیساتھ پیش کر رہے تھے تو دوسری طرف قائد
اعظمؒ اس کی عملی تشکیل کے لئے تحریک پاکستان کا آغاز ان الفاظ سے کرتے نظر آتے ہیں " اسلامی
حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اطاعت اور وفاکشی کی مرجع خدا کی ذات ہے۔
جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً" نہ کسی بادشاہ کی اطاعت
ہے نہ پارلیمان کی نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری
آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام

کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔ (عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء سے انٹرویو 1941ء)

دسمبر 1943ء میں کراچی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا کہ :۔

" وہ کون سا رشتہ ہے جس کے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں ؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی ہے ؟ "

اس کے بعد خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے کہا :۔

" وہ بندھن' وہ رشتہ' وہ چٹان وہ لنگر خدا کی کتاب عظیم قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی "

حصول پاکستان کے بعد دنیا یہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھی کہ اس نئی مملکت کا آئین کس قسم کا ہو گا۔ چنانچہ فروری 1948ء میں قائد اعظمؒ نے اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اہل امریکہ کے نام ایک پیغام براڈ کاسٹ کرتے ہوئے فرمایا :۔

" پاکستان کی کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا اسکی آخری شکل کیسی ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا آئین ہو گا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی میں منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے ۔ آئین پاکستان مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہو گی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے۔ کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں "

یہ تھا سرسری سا خاکہ جو مفکر اعظم علامہ اقبالؒ اور ان کے مرد مومن قائد اعظمؒ نے اپنے پاکستان کی طرز حکومت کے متعلق پیش کیا تھا اور جس کی بنیاد وہ قرآن کریم پر رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اس لئے کہ یہی الٰہی ہے۔

1۔ انسانوں کے درمیان قرآن مجید کے مطابق حکومت قائم کرو۔ 4/105

ایک دوسری جگہ فرمایا کہ :۔

2۔ (اے جماعت مومنین !) تم اس ضابطہ قوانی (قرآن) کا اتباع کرو جسے تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور اس کے علاوہ کسی کارساز و رفیق کا اتباع مت کرو۔ 7/3

سورہ المائدہ میں آیا ہے کہ :۔

3۔ ان سے کہدو کہ زندگی کا صحیح راستہ ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کی طرف سے عطا شدہ راہ

نمائی (قرآن) کا راستہ۔ یعنی وہ راستہ جو عالمگیر انسانیت کی پرورش کرنے والے کا تجویز کردہ ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسی راستہ کو اختیار کریں اور خدا کے عالمگیر نظام ربوبیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ (6/71)

سورہ الا انبیاء میں تنذیر کے طور پر آگاہ کر دیا کہ :۔

4۔ اگر تم نے اپنی زندگی کا نقشہ اس کے مطابق مرتب کر لیا تو تمہیں رفعت و عظمت حاصل ہو جائے گی۔ اگر اس کے خلاف چلے تو تم بھی اسی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے جس طرح ہم نے (تم سے پہلے) کتنی ایسی قوموں کو تباہ کر دیا۔ جنہوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی اور پھر ان کے بعد ان کی جگہ دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کیا۔ 21/11

اور آخر میں ایک قول فیصلہ۔ فرمایا۔

5۔ اگر تم (اس نظام سے) روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا۔ جو تمہارے جیسی نہیں ہو گی۔ 47/38۔

متذکرہ بالا سطور پر مشتمل اس مختصر سی تحریر کا مقصد کسی پر تنقید ہرگز نہیں۔ بلکہ غرض و غایت یہ ہے کہ باہمی مشاورت سے قرآن مجید کی عملی تنفیذ کے راستے سوچے جائیں تاکہ بنی نوع انسان اس کی اطاعت سے ایک بار پھر دنیا و آخرت دونوں کی خوش گواریاں حاصل کر سکے۔

سنا تھا جشن ہو گا اور گھر گھر روشنی ہو گی
نہیں معلوم یہ تقریب کب تک ملتوی ہو گی

* * *

دیار غیر میں مقیم قارئین توجہ فرمائیں

☆ **بجز** ☆

ان قارئین کے جن کے کھاتہ جات ادارہ طلوع اسلام میں پہلے سے موجود ہیں۔ تمام قارئین سے التماس ہے کہ مجلّہ طلوع اسلام کا زر شرکت برائے سال 1998ء بذریعہ چیک یا ڈرافٹ۔۔۔ براہ راست ادارہ طلوع اسلام کے نام ارسال فرمائیں، تاکہ ان کے اور ان کے رفقاء کے نام جاری پرچوں کی ترسیل منقطع نہ ہونے پائے۔ نیز ان پرچوں کی تجدید کروانا بھی نہ بھولیں جو انہوں نے پاکستان میں اپنے عزیزوں کے نام جاری کروا رکھے ہیں۔

ایڈیٹر طلوع اسلام

PAMPHLETS -- پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس بحساب ایک روپیہ فی پمفلٹ' علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

1۔ دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے
2۔ اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
3۔ اسلامک آئیڈیالوجی
4۔ الصلوۃ
5۔ تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک
6۔ الزکوۃ
7۔ فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
8۔ کافر گری
9۔ کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے
10۔ مرض۔ تشخص اور علاج
11۔ ہندو کیا ہے
12۔ جہاں مارکس ناکام رہ گیا
13۔ عورت قرآن کے آئینے میں
14۔ وحدت ملت
15۔ مقام محمدیؐ
16۔ سوچا کرو
17۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
18۔ اندھے کی لکڑی
19۔ احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
20۔ ISLAMIC IDEOLOGY
21۔ رحمت اللعالمین
22۔ آرٹ اور اسلام
23۔ Is Islam A Failure
24۔ مرزائیت اور طلوع اسلام
25۔ اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے۔
26۔ دعوت پرویزؒ کیا ہے ؟
27۔ Why Is The Islam Only True Deen
28۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (10 روپے)

(سرکولیشن مینجر۔ ماہنامہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر عبدالودود صاحب

نقد و نظر

نام کتاب :۔ Rule of Allah In State Affairs

مصنف :۔ Dr.Syed Abdul Wadud M.C.

ضخامت :۔ 38

قیمت :۔ =/50 روپے علاوہ ڈاک خرچ

ملنے کا پتہ :۔ ادارہ طلوع اسلام۔ 25۔ بی گلبرگ II لاہور

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ انسان نے جب بھی خود اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی اس نے ٹھوکر کھائی ہے۔ عقل انسانی صرف مفاد خویش تک دیکھ سکتی ہے اور مفادات کا ٹکراؤ ہی سب انسانی المیوں کا باعث ہے۔

اقتصادی مسائل کے حل کے لئے آج تک انسان منافع کے Incentive کے بل پہ نظام سرمایہ داری تک پہنچا اور جب اس نظام کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچیں تو اس کے رد عمل کے طور پر اس کے مد مقابل اشتراکی نظام قائم ہوا۔

مدتوں یہ ایک دوسرے کے حریف رہے اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کے درپے رہے۔ سائنسی ترقی کے باوجود اقتصادی کمزوری کے باعث افغانستان کی جنگ میں الجھ کر اشتراکی نظام پارہ پارہ ہو گیا۔ روس کی ناکامی کے بعد چین نے بھی اپنے نظریات سے ہٹ کر منڈی کی معیشت کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا ہے' حالانکہ سرمایہ داری نظام خود ایسی مشکلات میں گھرا ہوا ہے کہ اسے ان سے نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔

اس وقت انسانیت جس موڑ پہ ہے اسے وہ روشنی ہی راستہ دکھا سکتی ہے جس کا منبع عقل انسانی سے بلند تر مقام پہ ہو۔ (اور انسان کی خوش نصیبی ہے کہ وحی خداوندی کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔)

ان دو نظام ہائے زندگی کے خاتمے کے تناظر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ بہت واضح اور روشن ہے۔ اس منظر میں پاکستان کا وجود اور کردار بہت اہم ہے' اس لئے کہ پاکستان دنیا کے واحد زندہ پائندہ نظریے کا محافظ ہی نہیں' پوری دنیا کے لئے خوابوں کی سرزمین اور امید بھی ہے جہاں اسلامی انقلاب برپا ہو کر دنیا کے لئے مینارہ نور کا کام دے سکتا ہے' اس نظریہ کی بنیاد " لا الہ الا اللہ " ہے یعنی حاکمیت

اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔ اسی نظریے کی توانائی تھی جس نے پاکستان کا حصول ممکن بنایا اور اسی نظریے کی توانائی تھی جس کے طفیل پاکستان نے نصف صدی تک ہر طرف سے مسلسل دباؤ کا مقابلہ کیا۔

لیکن پاکستان کی بد قسمتی کہ یہاں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا جو اس نظریے کی کنہ و حقیقت سے ناواقف تھے۔ انگریز کی اس معنوی اولاد کو یاد ہی نہیں رہا کہ یہ مملکت کس غرض کے لئے حاصل کی گئی تھی۔ وہ ہدایات قرآنی جن کی بنیاد پر اسلامی مملکت کی عمارت استوار ہوتی ہے ان کے ذہن اس سے قطعاً" ناآشنا ہیں۔

چنانچہ یہ مضمون Rule of Allah In State Affairs جو ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب نے انگریزی زبان میں پیش کیا ہے اس کی غرض و غایت یہی ہے کہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر عوام ہوں یا خواص سب مسلمان بھائیوں کو یاد دلایا جائے کہ حضور نبی اکرم صلعم' نے جو ریاست مدینہ میں قائم کی تھی اس کی بے پناہ کامیابی کا راز کیا تھا ؟ اور وہ کون سے عناصر تھے جن کو جوڑ کر اس کی عالیشان عمارت وجود میں لائی گئی تھی اور یہ کہ پاکستان واحد ملک ہے جو ریاست مدینہ کی نشاۃ ثانیہ کا نقیب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ملک " لا الہ الا اللہ " کی بنا پر معرض وجود میں آیا تھا اور یہ کہ اس کی تعمیر نو صرف قرآن کریم کے احکام اور اصولوں کے ذریعے ہو سکتی ہے انہی کی ہر بات کی دلیل کے لئے انہوں نے قرآن پاک کی آیات کا حوالہ دیا ہے' اپنی آیات کے تسلسل سے مضمون میں کڑی سے کڑی ملتی جاتی ہے اور ایک مربوط Thesis تیار ہو جاتا ہے جو صاحبان فکر و نظر کی توجہ کے قابل ہے ڈاکٹر صاحب کا انداز سادہ' شستہ واضح' اور منطقی ہے۔

یہ چند سال پیشتر ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوا تھا اور اب قدرے اضافے کے ساتھ ایک خوبصورت پمفلٹ کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

لائف ممبرشپ برائے مجلہ طلوع اسلام

نہ ہر سال زر شرکت بھجوانے کی زحمت' نہ کھاتہ کھولنے کی ضرورت' ایک دفعہ

اندرون ملک	1500 روپے
ایشیاء' یورپ' افریقہ	8000 روپے
اسٹریلیا' کینڈا امریکہ	10 000 روپے

ادارہ کے اکاؤنٹ نمبر 7-3082 نیشنل بنک۔ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور کے نام ارسال فرما کے لائف ممبرشپ حاصل کر لیجئے۔

مرکولیشن مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆ بچوں کا صفحہ ☆

میرا پاکستان

مہک مفتی (سویڈن)

میری عمر 12 سال ہے۔ سویڈن میں رہتی ہوں۔ اپنے ملک کی یاد بہت ستاتی ہے۔ سوچتی ہوں کتنا خوبصورت ہو گا علامہ اقبالؒ کا پاکستان۔ قائد اعظمؒ کا پاکستان' میرا پاکستان' مسلمانوں کا پاکستان' جہاں اسلام کا بول بالا ہو گا۔ اللہ کے قانون کی حکمرانی ہو گی۔ اللہ اکبر کے نعرے گونج رہے ہوں گے۔ سب مسلمان بچے' بوڑھے اور جوان پیار محبت سے رہتے ہوں گے۔ نہ دوسرے ملکوں کی طرح لڑائی جھگڑا ہو گا نہ رشوت کا دور دورہ ہو گا' نہ بددیانتی۔ لوگ سکون سے سوتے ہوں گے۔ ہر کوئی پیٹ بھر کر کھاتا ہو گا۔ میرے ملک کے ندی' نالے جنگل اور پہاڑ کتنے خوبصورت ہوں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے ملک میں بچوں کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو گا۔ لڑکیوں کو بھی سکول جانے اور کھیلوں میں حصہ لینے کی اجازت ہو گی۔ میں نے سنا ہے عید کا تہوار میرے ملک میں بڑے زور و شور سے منایا جاتا ہے۔ بچے' بوڑھے اور جوان نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ بچوں کو عیدی ملتی ہے۔ بچیاں رنگ برنگی چوڑیاں پہن کر ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہیں۔ کتنا مزا آتا ہو گا۔ ہے ناں ! سوچتی ہوں میں اپنے ملک سے کیوں دور ہوں۔ اپنے لوگوں سے کیوں الگ ہوں۔ کب جاؤں گی میں اپنے ملک میں اور کب دیکھ سکوں گی ایک اسلامی ملک کی شان۔ مولوی صاحب نے بتایا تھا کہ مسلمان سب سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔ میرے ملک کے لوگ بھی یقیناً سب سے اعلیٰ ہوں گے۔

سویڈن میں میری سہیلیاں پوچھتی ہیں تو میں انہیں بتاتی ہوں کہ دنیا میں جنت کا نظارہ دیکھنا چاہتی ہو تو پاکستان جا کر دیکھ لو۔ اللہ میرے پاکستان کو اسی طرح آباد رکھے۔ **زندہ باد پاکستان**

* * *

QURAN

For Muslims, or followers of Islam, the Quran is the actual Word of God revealed through the archangel Gabriel to the Prophet of Islam during the twenty-three-year period of his prophetic mission. It was revealed in the Arabic language as a sonoral revelation which the Prophet repeated to his companions. Arabic became therefore the language of Islam even for non-Arab Muslims. Under the direction of the Prophet, the verses and chapters were organized in the order known to Muslims to this day. There is only one text of the Quran accepted by all schools of Islamic thought and there are no variants.

The Quran is the central sacred reality of Islam. The sound of the Quran is the first and last sound that a Muslim hears in this life. As the direct Word of God and the embodiment of God's Will, the Quran is considered as the guide par excellence for the life of Muslims. It is the source of all Islamic doctrines and ethics. Both the intellectual aspects of Islam and Islamic Law have their source in the Quran. Perhaps there is no book revered by any human collectivity as much as the Quran is revered by Muslims. Essentially a religion of the book, Islam sees all authentic religions as being associated with a scripture. That is why Muslims call Christians and Jews the "people of the book".

Throughout all its chapters and verses, the Quran emphasizes the significance of knowledge and encourages Muslims to learn and to acquire knowledge not only of God's laws and religious injunctions, but also of the world of nature. The Quran refers, in a language rich in its varied terminology, to the importance of seeing, contemplating, and reasoning about the world of creation and its diverse phenomena. It places the gaining of knowledge as the highest religious activity, one that is most pleasing in God's eyes. That is why wherever the message of the Quran was accepted and understood, the quest for knowledge flourished.

Courtesy- World of Islam

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک خط ایک نوحہ

(ڈاکٹر محمد حیات ملک صاحب کا خط بنام وزیر اعلیٰ پنجاب)

سلام و رحمت۔ گذشتہ ہفتہ کی اخباری اطلاع کے مطابق پنڈی کیمپ کے پانچ معصوم بچوں کے ذبح ہو جانے کی تفتیش کے لئے آپ پنڈی کیمپ روانہ ہونے والے ہی تھے کہ پولیس کی اطلاع پہنچ گئی کہ قاتلہ بچوں کی ماں ہے جس کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور اس نے اعتراف جرم کر لیا ہے۔ اس پر آپ نے دورہ منسوخ کر دیا۔ غالباً یہ سوچتے ہوئے کہ اب قاتلہ کیفر کردار کو پہنچ ہی جائے گی۔ اب وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔ گستاخی معاف! آپ نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ حادثہ ایک عام دہشت گردی نہیں تھی۔ یہ داستان تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہے گی۔ ہر پاکستانی کے ماتھے پر یہ کلنگ کا ٹیکہ ثبت رہے گا۔ کہ اس ہرے بھرے' کھاتے پیتے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں پانچ معصوم بچے 3 دن تک بھوک سے بلکتے رہے اور کسی نے ان کی خبر تک نہ لی۔ آخر ماں یہ سب کچھ نہ دیکھ سکی۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی اور اپنے بچوں کو بھوک کی تکلیف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا۔

آپ وہاں جا کر تفتیش تو کرتے کہ ماں پر اتنے سخت دباؤ کا کون ذمہ دار ہے ؟ میرے نزدیک قاتل ماں نہیں' معاشرہ ہے۔ بچوں کے والد اڑوس پڑوس کے چوہدریوں' ملکوں اور محلے کے امام مسجد کو لائن میں کھڑا کر کے ان کے چوتڑوں پر دس دس جوتے لگواتے اور پوچھتے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہو۔ کیا یہی رسول کریمؐ کی تعلیم ہے۔ پانچ معصوم بچے تین روز تک بھوک سے بلکتے رہے اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ اعمال حکومت کی بھی سرزنش کرتے کہ وہ اتنے اندھے اور بہرے کیوں بنے بیٹھے ہیں۔ اور پھر اپنے میں جرأت پاتے تو اپنے منہ پر بھی دو چپت رسید کرتے کہ پاکستان کے حاکم اعلیٰ (اللہ) کے نام پر حکومت کرنے والے نے اب تک کیا انتظام کر رکھا ہے کہ ایسے حالات میں دکھی بلا جھجک کسی با اختیار افسر کو اطلاع کر سکیں اور وہ فوراً امداد پہنچا سکے۔ " کافروں " کے ملک میں 911 پر ٹیلیفون کرنے سے فوری امداد پہنچ جاتی ہے۔ اپنے حالات کے مطابق اسی سے ملتا جلتا انتظام یہاں کیوں نہیں ہو سکتا؟

کسی بستی میں ایک مسافر پیاس سے مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا خون بہا بستی کے لوگوں سے وصول کر کے ورثا کو ادا کیا (شاہکار رسالت صفحہ 366)۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمر سے اس کی باز پرس ہو گی۔ موتی کی طرح چمکتی ہوئی یہ

حدیث تو آپ نے سنی ہو گی کہ جس بستی کا ایک فرد بھی بھوک کرتا رات کو سو گیا۔ اللہ ۔ بستی کی حفاظت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ کوشش کریں پنڈی گھیپ والا سانحہ کہیں اور نہ دہرا جائے ورنہ حاکم بدہن پاکستان کی حفاظت کا ہر بند ٹوٹ سکتا ہے۔ روٹی کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ " الحمد اللہ رب العالمین " ایک مسلمان کا پہلا سبق ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں بھوکا ہوں۔ روٹی خریدنے کے لئے رقم نہیں ہے۔ اسے روٹی ضرور ملنی چاہیے۔ خواہ ایسے دس مانگنے والوں میں 9 جھوٹ ہی کیوں نہ بول رہے ہوں۔ لیکن ایک مستحق حاجتمند کو نقصان پہنچنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئے۔ اللہ کا دیا رزق نہیں روکنا چاہیے۔ آپ کے مشیر آپ کو ڈرائیں گے کہ اتنے وسائل ہمارے پاس کہاں ؟ اپنے ایک چھوٹے سے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ خدشات غلط ہیں۔ 74-1971ء میں بطور میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال فیصل آباد میں یہ آزما چکا ہوں۔ ہسپتالوں کے بجٹ ان دنوں بہت کم تھے اور مریض ان سرکاری ہسپتالوں کی طرف **کھچے** چلے آرہے تھے۔ سب میڈیکل افسران کو میری ہدایت تھی کہ کوئی مریض کسی دوائی کی کمی کی وجہ سے نہیں مرنا چاہئے۔ اگر ہسپتال کے سٹور سے نہیں مل رہی تو باہر کی دوکان سے دوائی منگوا لو اور بل مجھے پہنچا دو۔ جہاں سرکار کا دامن سکڑتا تھا۔ پلکے کے صاحب دل افراد اس کمی کو پورا کر دیا کرتے تھے۔ کوئی شکایت نہ تھی کہ دوا نہیں ملتی۔ اب تو آپ کے پاس کروڑوں روپے کا زکوٰۃ فنڈ ہے۔ اسے راشی عملہ سے بچائیے۔ سیاسی مقاصد کو نزدیک نہ بھٹکنے دیں۔ فرقہ واریت کی فیکٹریوں یعنی مولوی صاحبان کے دارلعلوموں پر ضائع ہونے سے بچائیے۔

غریب کی روٹی کا باعزت انتظام اس سے ہو سکتا ہے۔ کوئی کمی بھی آ گئی تو قوم آپ کو مایوس نہ ہونے دے گی۔ چھان بین کر کے کم آمدن والے گھرانوں کو پنشن بک بنا کر دیں تاکہ وہ ہر ماہ نزدیکی **ڈاکخانہ** سے امداد وصول کر لیا کریں۔

ایک آخری درخواست۔۔۔ اس سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔۔۔ آپ اگر ایک کتاب " شاہکار رسالت " از جناب غلام احمد پرویز منگوا کر دھیان سے پڑھ لیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ حکومت الٰہی (خلافت) اور ملوکیت میں فرق کیا ہے۔ نیز یہ کہ حضرت عمرؓ نے یہ نظام عملی طور پر کس طرح قائم کیا تھا۔

طوالت کی معافی چاہتا ہوں۔ دل کی بات آپ سے کہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ بقول اقبال۔ ؎
دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ والسلام

ڈاکٹر محمد حیات ملک ریٹائرڈ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ
و نمائندہ بزم طلوع اسلام فیصل آباد

* * *

ISLAM

BY
Dr. Mir Mustafa Hussain
Hyderabad- Bharat

In the world around man, and also for the functioning of his own body systems, physical (natural) laws are operative and all their related activities are governed by these laws. Allah also gives Laws for social activities of man as a code of conduct in life. The very object of giving these laws is to provide its followers a peaceful, harmonious, and prosperous life in this world and in the Hereafter. To fulfil this objective the only Divine code given is Islam, which means (in brief) total obedience to Allah and His laws. Following these laws in full faith is Islam and the strong conviction, which forms the base for such following, is called *iman.*

As far as the physical laws are concerned, all objects of the universe are bound to follow them, and the question of violating them does not arise. In case of social laws (exclusively given for man), option is given to follow them and to see whether these laws bring about the same results as claimed by the Divine Code which is available in its original form in the Quran alone and nowhere else. In the event of deviating from them, mankind is warned against its disaster. And the foremost pre-requisite to adopt the Divine laws in one's social life is the conviction in their truthfulness, easiness in understanding, and worthiness for adoption. An attempt has been made to elaborate these features of Islam.

Iman and Islam

Iman is full faith in Allah the only One and this truth should be based on reason and ..nowledge. Sometimes it is synonymous to English word conviction. The Quran lays much emphasis on reason. During the process of evolution, man has emerged as a 'new creation' (23:14). At this stage Allah 'breathed' in him His *ruh* (32:9), then he was endowed with His attributes to the extent of human limitations (32:9). Man has been gifted with mind, which enables him to think, and the intellect that helps him to build up knowledge. These are the best Divine gifts man is endowed with, and expected to get the right benefits from the resources of Nature following the Divine laws. Man will remain an ungrateful creature if he does not make use of these gifts. In this respect the Quran says: "You will see many amongst both *Jinn(1)* and *Ins(2)* who are destined for *Jahannam(3), for* they have been given the faculties of thinking, seeing, and hearing but they do not utilize them (to grasp the truth). They are just like brutes-and indeed worse than them.

They remain unheedful of the laws of Allah." (7:179). Blindly following the footsteps of ancestors in their life is the characteristic of misled people who defend themselves on this invalid base. When they are told that the Quran is the only criterion of right and wrong, truth and falsehood, they will not

---

1. Jinn: "... a tribe that continued wandering from place to place and remained mostly out of sight was called Jinn". "This also means those Bedouins, nomadic tribes or gypsies who kept on wandering from place to place and remained in deserts or forests away from cities. In Arabia such people were great in number."
2. Ins: "... humans (human beings) living a collective urban life, as opposed to gypsy life."
3. Jahannam: "... a situation in which humanity is ruined. ... a condition in which human evolution is prevented and life begins to stagnate instead of progressing."

accept it saying that they will follow the path of their ancestors even if they lacked in knowledge and wisdom (2:170).

Persons who have belief and conviction (based on reason) in Allah and His Messengers and surrender themselves with everything including their life to Allah are called *momineen* (singular *momin* - meaning Believers) according to the Book (49:15). With such a conviction in their mind, they do not have even the slightest doubt or suspicion in the Divine laws, and they work for the establishment of the Quranic order. At another place, while describing the qualities of *momineen,* the Quran says that they are the people before whom when the Divine Revelation is placed, they do not accept it like the deaf and the blind (25:73). The Book always insists on thinking to understand and to get the knowledge of the universe i.e. Allah's creations and about all the matters of life. The Quran insist on rational thinking about the Divine message (4:82, 47:24) so that man could get a clear understanding of the teachings, instructions, and the guidance given therein. While talking about the 'pathway' of *iman,* Allama Iqbal describes it as the truth, which enters the heart through mind or intellect. This truth brings about change in the world around him.

The Quran, while differentiating *iman* from *kufr* (antonym or negation of *iman* i.e. open denial of truth), draws a line of demarcation between these two that *momineen* are those who believe in Allah's law of *mukafa't* (retribution) and the life after death, whereas the Unbelievers are the people who deny the Divine code of life; their fundamental thinking is similar to that held by those who died in the same of denial of *Deen-e-Islam.* On account of this people (momineen) have been asked not to make Unbelievers companion (friends) as they have the Wrath of Allah. (60:13).

Divine Laws and Man-made Laws

Divine laws govern the entire universe and these are not subject to any change - time or place. These laws are operative in the physical life of man too. Divine laws are given for the social life of man and these are also unchangeable; these are found in their original form in the Quran alone. These are formulated by the Almighty for the benefit of man. By adopting these laws the entire mankind is benefited, and if these are violated, mankind gets into disaster. At the same time man is given option to follow the Divine laws unlike the other living beings which are left with no choice except following them by instinct.

Man-made laws, on the other hand, are subject to change at any time to suit and satisfy requirements and interests of individuals or groups. Among the followers of these laws there could be exemptions too; when a person, for example, commits a crime he may or may not be caught; even if he is caught he may or may not be punished. This is not the case with the Divine laws. When a person puts his hand into the fire, it is bound to get burnt (it is immaterial whether he has put it knowingly or unknowingly). It is not that one person puts his finger into the fire and someone else receives the burn.

For social life and economic matters. Divine laws are given for adoption so that related problem could be solved ideally. For example, matters related to capital and assets are to be handled in such a manner that the worldly life becomes peaceful and guarantees economic welfare, and 'paradise' in the Hereafter is assured. For this purpose the earnings should be utilised for improving not only the quality to one's own life but that of the society, thus economic and social justice are provided to the people. In this regard it is obvious that the usual attitude of man is towards violation of Divine laws; and this results in destruction of mankind (28:77). Yet at another place the Quran says that those who accumulate wealth for themselves and do not keep it open for the needy and deserving persons, they form such a society and introduce such laws which do not appear to be disastrous but in reality these are destructive. Such persons do not openly violate the Divine laws as

they are not bold enough to do so. But such an attitude of these persons cannot stop the effectiveness of the Divine laws in the process of forward movement of the potentials and capabilities of the people who follow these laws (57:24).

Benefits of following Divine Laws

The Quran stresses very much on thinking. Thus one can realise how much important thinking is. In this respect the Prophet (S) was instructed by the Almighty to tell the people just one word *'Thumma-tatafakkaru'* -reflect (introspect) within yourselves. (34:46). Yet at another place the Book observes that persons, inspite of having given them the faculties of thinking, seeing, and hearing do not make use of them to grasp the truth; they are just like brutes (beast), and indeed worse than them. They remain unheedful of the Divine laws. (7:179). Qualities of *momineen* have been described such that they are the people before whom when Divine revelation is kept,.they do not fall upon it like deaf and blind but accept it duly applying their mind (25:73). The meaning of Islam itself is to follow Divine laws in every walk of life. Some of the benefits accrued on following them are given hereunder.

(i) Misfortune can be averted by following the Divine laws. Misfortunes are brought by the person himself, and no one else should be blamed for it. Troubles are the consequences of man's own activities and for this he is pesonally responsible, and therefore he should not throw blame on others for what he himself has done (42:30). If one acts according to the Divine laws the results will be fruitful, otherwise those will be fruitless for which he himself will be responsible (4:79).

(ii) Disasters can be faced satisfactorily by following the Divine laws. In view of this fundamental principle disaster can be averted by following these laws, provided one is aware of physical laws and possesses the knowledge of systems around him can avert disaster. Then he should see that the society functions accordingly and the social order does not develop unevenness from within. The Quran has quoted an event from the period of Prophet Solomon (P); people at that time were happy and prosperous as long they were following the Divine laws in their daily life. After the death of the Prophet Solomon when they became covetous and selfish, they had fallen from grace (34:19).

(iii) Day is for work and night is for rest (sleep). For growth and development of man, Nature has made arrangement that during day time (in the presence of sunlight) people should work (to earn their living), and for taking rest night has been made so that one may take rest and thus the energy lost due to the day's work is restored. Allah has been graceful and bountiful to mankind by providing such conditions (facilities) for human efforts but most of the people do not value them and do not take proper advantage (40:61).

(iv) Objective of life is achieved by following Divine laws. The goal of human life is not just the physical growth and development, it is also the development of his 'self'. When people have ignored this aspect and violated the laws the level of their life came down to that of the level of animals or even lower than that (7:179).

(v) Following Divine laws bring about bright and fruitful results. Those who strive for the cause of Allah, He certainly guides them to His path. Undoubtedly, new vistas of life get opened and these lead to the right path. Thus the objective of Divine programme is fulfilled (29:69).

(vi) As a result of following the Divine laws for life matters, when desired results come out of the human efforts, it is said that the promise of Allah is fulfilled; as He never departs from His promise and most of the people do not understand this fact. It is a fact that the Divine laws are eternal

therefore in nature nothing happens against these laws. This phenomenon asserts that Allah nev departs from His promise (30:6).

(vii) By following the Divine laws survival of man on earth is assured. The law of capabiliti determines life and death. Those who are capable enough to survive, they alone will survive, and al those who strive to live will enjoy life. Those who are not capable enough to do so, they will g perished; and this is according to the Divine law. By one's own performance he may stand or f (50:43;8:42)

Deen and Mazhab

Whenever Divine guidance was needed for the mankind, it was revealed to apostles by Alla and through them it reached the people of those days exactly in the same form and words in which was revealed over a particular period of time. The collection of the entire message was called Divi book. Followers of the prophets did not keep those scriptures in their original form after the prophet. As stated earlier, the last book in the series is the Quran, which also contains the Divi laws that include permanent values in complete, unchangeable, and eternal form. No one, even t Prophet Mohammed(S), upon whom the Quran was revealed, made any change such as additio deletion or modification in the Book, which also contained a code for life of man and this is call *Deen-e-Islam* (3:19). This order was operative during the lifetime of the Prophet(S), and for thr decades after his passing away. Subsequently, evil forces, which had remained suppressed by t influence of the Divine code *(Deen),* used to raise their heads to fulfil their evil objectives, to satis their vested interest, and to implement their greedy motives. They exploited innocent people projecting their ideas in the name of Islam. Such forces utilized services of persons who had a fal saintly apprearance, pious robe, and angel-like face; they used to speak out their own ideas in t name of *Deen.* They appeared before the people as interpreters of Allah's will presenting *Deen.* in distorted form, and the *Deen* thus got "... reduced to a set of soulless beliefs and lifeless dogmas a formal rituals divorced from reason and knowledge and the realities of life in this world. They soug to keep the common people entangled in the labyrinth of dogmas and rituals, and the exploite religious as well as temporal, were thus left free to maintain their stranglehold upon the defraude masses and to fatten themselves on the labour of others. This was the metamorphosis of *Deen* in *Mazhab* or religion, as in the old."

The kind of disorderliness mentioned above, could not continue long, and in the meantim another apostle of Allah used to appear, and re-establish the *Deen* of the earlier prophets. The processes went on in an alternate form, and at last, the last perfect, and final code of Divine Guidan in the form of the Quran was revealed. On the basis of this Divine Book, Prophet Muhammad(established a State in Medina for its enforcement. Characteristic feature of this State was sovereign of Allah and not of man, and introduction and adoption of the Divine code of life and not man-mad laws. This was the real Islamic State totally based on the Quranic laws. After the Prophet(S), t system continued for few decades. Then the leaders of the religion *(Mazhab)* enmeshed the *Dee* befooling people, violating the Divine code of life, deceiving the common people in such away th they accepted the shadow in place of substance, false interpretation in place of truth, and blin devotion in place of real knowledge. Thus people had fallen into grip of *Mazhab,* weaning them awa from the *Deen.* (It is worth mentioning that the word *Mazhab,* though an Arabic word, has not be used anywhere in the Quran). The history of mankind is precisely the history of an incessant confli between *Deen* and *Mazhab* throughout. *Mazhab,* which is a priestcraft, has no sanction in the Qura

Another characteristic of religion *(Mazhab)* is that of following traditions blindly. representative profess that whatever was followed by their ancestors has to be followed, no matte is a blind imitation adopted unwisely, without thinking and without reasoning. Whenever

reasonable person raised voice against them, they tried to arouse the ire of the people against him on the plea that he is desecrating and insulting their respectful and renowned ancestors. This is how the whole structure of *Deen* was weakened and damaged. But the real *Deen* (the Divine guidance and code of life) is available in its real and original from in the Quran. The permanent values preserved in this Book are trustworthy and reliable, unchangeable and practical, and easily adaptable. These values ensure real freedom to man, satisfy the urge for self-preservation at the physical as well as human level, and heavenly life Hereafter. With this kind of attitude towards life, the bondage of religion and superstition get shackled and thus set the man free. Under this Divine code of life - *Deen* - the concept of Allah is that He is one who make those laws, which are universal, eternal, unchangeable, and irreversible. Every action under this system brings about results according to the Divine laws.

The universality of these laws is such that it brings about the same results throughout the world whenever and wherever these are adopted. This also means that when the world community follows these laws, undoubtedly it will have pattern of living characterised by unity, uniformity, and peaceful co-existence in every walk of life.

It has been pointed out that whenever a particular event takes place, at that moment a particular attribute of Allah manifests itself. It has been stated that man has certain innate faculties and qualities. If these are properly trained and positively developed, they express themselves and produce the same results (within human limits) as those absolute and limitless attributes of Allah exhibit. If such a human social order is established in which human attributes are trained and developed, they exhibit themselves and the speed of effectiveness and rate of resolvability of the Divine laws will increase manifold. In this context the Quran says that if you help the establishment of the Divine order, Allah will help you and you will get yourselves established (47:7). In other words helping the Divine system by following the Divine laws means to help us.

In the Quranic order - the *Deen* - a perfect and harmonious co-ordination between people and the Divine laws occurs, and this occurrence is called *nuzul-e-malaikah* (97:4). This means that the forces of nature at work and the human potential (which includes physical and psychological forces within the human individual himself) working together to fulfil the objective of Allah to transform the Divine scheme into practical establishment of a real 'welfare State' on earth. This is not possible when we follow rituals and traditions given by *Mazhab*, denying knowledge to accommodate faith.

The two factors - Divine laws and human potentials - when they act together accelerate the speed with which positive and desirable development of human social order takes place in the process of evolution. This could be explained with an example that when a ball of cotton fibre lies in the hot sun, it does not get burnt. When the same rays of the sun are focused and concentrated on the cotton fibre with the help of man-made lens, the rays become more active and effective and the fibre starts burning within a very short period of time. On the contrary, when we talk of *Mazhab*, we talk of people following the man-made laws and these negate the process of establishment of Divine social order, and the result is obvious.

Mankind talks of peace and harmony on earth; these are possible only in that society in which life is led in accordance with law and constitution free from fear and grief; and the Divine system alone ensures this. It provides equal opportunities to all the people to grow and develop their potential. Such a peaceful and harmonious system - the *Deen* - was established by the Prophet Muhammad (S), and this system was based totally on the Quranic laws. The Prophet (S) not only brought revolution in the physical world of the people but also in the world of minds and thoughts in the shortest possible time (twenty-three years), and the history of mankind has miserably failed to

quote such an example. For all this, what the Prophet (S) did was that he conveyed the message of Allah (the Quran) to the people and introduced the Divine laws into the society. He pronounced that he was the first person to obey (follow) the Divine laws (6:163). He removed slave- thinking form the minds of the people and provided them a free sphere which created for them an atmosphere to think and act freely and thereby to grow and develop their capacities and potentials. Historians of the West conducted research throughout their life to find out the real cause as to how Prophet Muhammad (S) could bring bout such a revolution beyond one's imagination. The answer is that he established the *Deen* in its real sense, and this provided a real constitutional atmosphere, which resulted in the growth and development of human potential. During his lifetime, the Prophet(S) never insisted on anything other than following the Divine constitution (the Quran). and this amounted to following the *Deen* and not *Mazhab.*

The preceding discussions explain the difference between *Mazhab* (religion) and *Deen,* and lead to the Quranic version that Islam is not *Mazhab,* it is *Deen.* Allah has approved only one code of life for mankind, and He himself named it *Deen-e-Islam* (3:19). and this is described by the Quran as *Deen,* Which is generally translated into English as religion. This English equivalent of *Deen,* religion, is not only incorrect but is also a deviation from the actual meaning and significance of *Deen.*

Islam urges upon establishment of Quranic Order (*Nizam -e-Salath*), and a plan of action for growth and development of the entire mankind through a system called *Nizam-e-Zakath* (details of these two systems are discussed in chapter 5). As a Divine code of life, Islam is very simple to follow and easy to adopt in practical life. It aims at establishment of a social order based on permanent values and sound economic principles and the only system, which is sustainable and beneficial for the entire mankind (13:17). It is most unfortunate that Islam as *Deen* - a system totally based on the Ouranic laws- is yet to be established in Muslim countries in the modern world.

WHY WAIT TILL THE END OF DECEMBER 1997 ?

KINDLY ENSURE THAT THE SUBSCRIPTION FOR THE YEAR 1998 IS PAID BEFORE DECEMBER 97. PLEASE ALSO RENEW THE LIST OF SUBSCRIBERS SPONSORED BY YOU